بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

الحمد للہ رب العالمین۝ الرحمٰن الرحیم۝ مالک یوم الدین۝ ایاک نعبد و ایاک نستعین۝
اھدنا الصراط المستقیم۝ صراط الذین انعمت علیھم
غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۝

اے دوستو جو پڑھتے ہو اُمّ الکتاب کو
اب دیکھو میری آنکھوں سے اس آفتاب کو
سوچو دعائے فاتحہ کو پڑھ کے بار بار
کرتی ہے یہ تمام حقیقت کو آشکار
دیکھو خدا نے تم کو بتائی دعا یہی
اس کے حبیب نے بھی پڑھائی دعا یہی

پڑھتے ہو پنج وقت اسی کو نماز میں
جاتے ہو اس کی رہ میں درِ بے نیاز میں
اُس کی قسم کہ جس نے یہ سورۃ اُتاری ہے
اُس پاک دل پہ جس کی وہ صورت پیاری ہے
یہ میرے رب سے میرے لئے اِک گواہ ہے
یہ میرے صدق دعوے پہ مُہرِ الٰہ ہے
میرے مسیح ہونے پہ یہ اِک دلیل ہے
میرے لئے یہ شاہدِ ربِّ جلیل ہے

پھر میرے بعد اوروں کی ہے انتظار کیا
توبہ کرو کہ جینے کا ہے اعتبار کیا
کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے
جسکی مماثلت کو خدا نے بتا دیا
حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب
خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا

جری اللہ فی حلل الانبیاء مامور من اللہ خاتم الاولیاء مسیح دوران امام الزمان
محبوب سبحانی احمد قادیانی حضرت مسیح موعود مہدی معہود امام الوقت مجدد اعظم
میرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُن

INDI

تقریروں کا مجموعہ

جو حضور پُرنور علیہ السلام بہ تقریب شمولیت جلسہ لاہور ۳ ستمبر ۱۹۰۴ء تشریف لیگئے
اور حضور ہفتہ عشرہ اسجگہ قیام پذیر رہے اور مختلف اوقات میں اپنی زبان مبارک سے ان تقاریر کو بیان فرمایا

باھتمام

حافظ مُبین الحق محمد یامین مہتمم احمدیہ کتب خانہ قادیان

۲۵ دسمبر ۱۹۰۴ء

قیمت فی نسخہ

(در رفاہ عام پریس امرتسر میں باہتمام بھائی بہادر سنگھ مینیجر چھپا)

۱۹۲۴ء کی قابل دید کتابیں

اللہ جل شانہٗ کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے بحمد للہ اس سال جناب باری سے حسب ذیل کتابیں چھپوا کر شائع کرنیکی توفیق حاصل ہوئی۔ فالحمد للہ

۱۔ تقریر اور خطبہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پُر معارف تقریر متعلقہ نماز و دعا ہے اور ایک لطیف خط وحدت وجود کے مسئلہ پر۔ قیمت ۳

۲۔ اسلامی نماز مصنفہ حضرت فضل عمر مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۂ وقت۔ حضور نے اسلامی عبادت کے طریق بیان فرما کر نماز کی حقیقت اور اسکے معنی و مطالب کو نہایت واضح طور پر بیان فرمایا ہے قیمت ۱؍

۳۔ فرائض مستورات۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی سیالکوٹ والی تقریر جو حضور نے ۱۹۲۰ء سیالکوٹ میں عورتوں کے مجمع میں بیان فرمائی۔ قیمت ۲؍

۴۔ قبولیت دعا کے طریق۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے بیان کردہ پندرہ ۱۵ مجرب قبولیت دُعا کے طریق۔ خوبصورت چھوٹی تقطیع پر چھاپے ہیں۔ قیمت ۳؍

۵۔ محبت الٰہی۔ تصنیف لطیف حضرت خلیفۃ المسیح ثانی۔ حضور نے اسلام اور مذاہب غیر کے محبت الٰہی کے مسئلہ کا مقابلہ کر کے دکھایا ہے کہ مسلمان ہی سچی تعلیم اور سچے مذہب کے مستحق ہیں کیونکہ مسلمانوں میں جو ذرائع اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا کرنیکے پائے جاتے ہیں۔ وہ دوسری اقوام میں مفقود ہیں کتاب نہایت عمدہ چھپی ہے قیمت ۲؍

۶۔ مسلمان وہی ہے جو سب ماموروں کو مانے۔ حضرت اولوالعزم فضل عمر مصلح موعود خلیفہ ثانی کا وہ معرکۃ الآراء مضمون ہے جسکی قبولیت عام ہے مدت سے یہ رسالہ نایاب تھا۔ یہ وہی مضمون ہے جسکے جواب سے غیر مبایعین عاجز رہے ہیں اسمیں ہر ایسے شخص کا ابطال کیا گیا ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کے نہ ماننے والے کو مسلمان کہتا ہے۔ قیمت ۲؍ صفحے ۴۸

۷۔ نماز مترجم مصدقہ علماءِ قادیان اس سال اس کا پانچواں ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ اسمیں ہر قسم کی نماز ترجمہ کے ساتھ درج کی ہے۔ قیمت ۱؍ ۱۰؍ عہ؍ کی ۱۲ کاپی۔

۸۔ ادعیۃ الرسول۔ نبی کریم صلعم کی دعاؤں کا مجموعہ ترجمہ کے ساتھ عمدہ لکھائی چھپائی۔ نماز مترجم کی تقطیع پر ہے قیمت ۲؍

۹۔ نیوگ شاستر۔ ماسٹر محمد شفیع اسلم نے ناول کے رنگ میں مسئلہ نیوگ کے بُرے نتائج پیدا ہونیکی بناء پر لطیف پیرایہ میں لکھا ہے قیمت ۴؍

۱۰۔ تبلیغی کارڈ ۳۲ قسم کے مختلف مضامین کے ساتھ تین قسم کے کارڈ چھاپے ہیں ہر میں پوراسٹ ۳۲ کارڈ فیصد ۱۲؍

۱۱۔ سفرنامہ ماریشس۔ قیمت ۱؍ (۱۲) فلسفہ فلاسفر دوسرا نام یادگار فلاسفر۔ قیمت ۲؍

(۱۳) احمدی جنتری ۱۹۲۴ء قیمت ۲؍ عہ؍ کی آٹھ جلد (۱۴) صبغۃ اللہ قیمت ۴؍ (۱۵) تازہ جدید فہرست کتب مفت

تمام درخواستیں بنام حافظ مبین الحق محمد یامین مہتمم احمدیہ کتب خانہ قادیان دارالامان۔ پنجاب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پہلی تقریر

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضور نے ۲۱۔ اگست ۱۹۰۴ء بمقام لاہور بوقت ظہر بیان فرمائی

گناہ سے بچنے کا ذریعہ خوف ہے

دیکھو یاد رکھنے کا مقام ہے کہ بیعت کے چند الفاظ جو زبان سے کہتے ہو کہ میں گناہ سے پرہیز کرونگا یہی تمہارے لئے کافی نہیں ہیں اور نہ صرف انکی تکرار سے خدا راضی ہوتا ہے بلکہ خدا کے نزدیک تمہاری اُسوقت قدر ہوگی جبکہ دلوں میں تبدیلی اور خدا کا خوف ہو ورنہ ادھر بیعت کی اور جب گھر میں گئے تو وہی بُرے خیالات اور حالات رہے تو اس سے کیا فائدہ۔ یقیناً مان لو کہ تمام گناہوں سے بچنے کے لئے بڑا ذریعہ خوف الٰہی ہے اگر یہ نہیں تو ہرگز ممکن نہیں کہ انسان اُن سب گناہوں سے بچ سکے جو کہ اُسے مصری پر چیونٹیوں کی طرح چمٹے ہوئے ہیں مگر خوف ہی ایک ایسی شئے ہے کہ حیوانات کو بھی جب ہو تو وہ کسی کا نقصان نہیں کر سکتے مثلاً بلی جو کہ دودھ کی بڑی حریص ہے جب اُسے معلوم ہو کہ اسکے نزدیک جانے سے سزا ملتی ہے یا پرندوں کو جب علم ہو کہ اگر یہ دانہ کھایا تو جال میں پھنسے اور موت آئی تو وہ اُس دودھ اور دانہ کے نزدیک نہیں پھٹکتے۔ اس کی وجہ صرف خوف ہے۔ پس جبکہ لایعقل حیوان بھی خوف کے ہوتے ہوئے پرہیز کرتے ہیں۔ تو انسان عقلمند ہے اُسے کسقدر خوف اور پرہیز کرنا چاہیئے۔ یہ امر بہت ہی بدیہی ہے کہ جس موقعہ پر انسان کو خوف پیدا ہوتا ہو اُس موقعہ پر وہ جرم کرنے کی جرأت ہرگز نہیں کرتا۔ مثلاً طاعون زدہ گاؤں میں اگر کسی کو جانیکے لئے کہا جاوے تو کوئی بھی جرأت کر کے نہیں جاتا حتیٰ کہ اگر حکام بھی حکم دیویں تو بھی ترساں اور لرزاں ہو جاویگا اور دل پر یہ ڈر غالب ہوگا کہ کہیں مجھ کو بھی طاعون نہ ہو جاوے اور وہ کوشش کرے گا کہ مفوضہ کام کو جلد پورا کر کے وہاں سے بھاگے۔ پس گناہ پر دلیری کی وجہ بھی خدا کے خوف کا دلوں میں موجود نہ ہونا ہی ہے لیکن یہ خوف کیونکر پیدا ہو اسکے لئے معرفت الٰہی کی ضرورت ہے جسقدر خدا کی معرفت زیادہ ہوگی اسی قدر خوف زیادہ ہوگا۔ مصرعہ۔ ہر کہ عارف تر است ترساں تر ۔ اس امر میں اصل معرفت ہے اور اس کا نتیجہ خوف ہے۔ معرفت ایک ایسی شئے ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے انسان ادنیٰ ادنیٰ کیڑوں سے بھی ڈرتا ہے۔ جیسے بسو اور مچھر کی جب معرفت ہوتی ہے تو ہر ایک اُن سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ جو قادر مطلق ہے اور علیم و بصیر ہے اور زمینوں اور آسمانوں کا مالک ہے۔ اسکے احکام کے برخلاف

کرنے میں یہ اسقدر جرأت کرتا ہے اگر سوچکر دیکھیگے تو معلوم ہوگا کہ معرفت ہی نہیں ۔

بہت ہیں کہ زبان سے تو خدا کا اقرار کرتے ہیں لیکن اگر ان کے دلوں کو ٹٹول کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ انکے اندر دہریت ہے کیونکہ دنیا کے کاموں میں جب مصروف ہوتے ہیں تو خدا کے قہر اور اُسکی عظمت کو بالکل بھول جاتے ہیں اس لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ تم لوگ دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے معرفت طلب کرو بغیر اسکے یقین کامل ہرگز نہیں ہوسکتا وہ اُسی وقت حاصل ہوگا جبکہ یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق کرنے میں ایک موت ہے گناہ سے بچنے کے لئے جہاں دعا کرو وہاں ساتھ ہی تدابیر کے سلسلہ کو ہاتھ سے نہ چھوڑو اور تمام محفلیں اور مجلسیں جنمیں شامل ہونے سے گناہ کی تحریک ہوتی ہے انکو ترک کردو اور ساتھ ہی ساتھ دعا بھی کرتے رہو اور خوب جان لو کہ ان آفات سے جو قضاؤ قدر کی طرف سے انسان کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں جبتک خدا کی مدد ساتھ نہ ہو ہرگز رہائی نہیں ہوتی ۔

نماز جو کہ پانچوقت ادا کیجاتی ہے اس میں بھی یہی ارشاد ہے کہ اگر وہ نفسانی جذبات اور خیالات سے اُسے محفوظ نہ رکھیگا تب وہ سچی نماز نہ ہوگی نماز سے معنی ٹکریں مار لینے اور رسم اور عادات کے طور پر ادا کرنے کے ہرگز نہیں نماز وہ شئے ہے جسے دل بھی محسوس کرے کہ روح پگھل کر خوفناک حالت میں آستانہ الوہیت پر گر پڑے جہاں تک طاقت ہے وہاں تک رقت کے پیدا کرنے کی کوشش کرے اور تضرع سے دعا مانگے کہ شوخی اور گناہ جو اندر نفس میں ہیں وہ دُور ہوں اسی قسم کی نماز بابرکت ہوتی ہے اور اگر وہ اسپر استقامت اختیار کریگا تو دیکھیگا کہ رات کو یا دن کو ایک نور اسکے قلب پر گرا ہے اور نفس امارہ کی شوخی کم ہوگئی ہے جیسے اژدہا میں ایک سم قاتل ہے اسی طرح نفس امارہ میں بھی سم قاتل ہوتا ہے اور جس نے اُسکو پیدا کیا اُسکے پاس اسکا علاج ہے ۔

نفس کی پاکیزگی پر مطمئن نہ ہونا چاہئے انبیاء کو بھی استغفار کی ضرورت ہے

کبھی یہ دعویٰ نہ کرو کہ میں پاک صاف ہوں جیسے کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے فَلَا تُزَکُّوْا اَنْفُسَکُمْ (پ ۲۷) کہ تم اپنے آپکو مزکّی مت کہو ۔ وہ خود جانتا ہے کہ تم میں سے متقی کون ہے جب انسان کے نفس کا تزکیہ ہوجاتا ہے تو خدا اُسکا متولی اور متکفل ہوجاتا ہے اور جیسے ماں بچّہ کو گود میں پرورش کرتی ہے اسی طرح وہ خدا کی گود میں پرورش پاتا ہے اور یہی حالت ہے کہ خدا کا نور اُسکے دل پر گر کر کل دنیاوی اژدوں کو جلا دیتا ہے اور انسان ایک تبدیلی اپنے اندر محسوس کرتا ہے لیکن ایسی حالت میں بھی کسے ہرگز مطمئن نہ ہونا چاہیئے کہ اب یہ طاقت مجھ میں مستقل طور پر پیدا ہوگئی ہے اور کبھی ضائع نہ ہوگی جیسے دیوار پر دھوپ ہو تو اُسکے یہ معنی ہرگز نہیں ہوتے کہ یہ ہمیشہ ایسی ہی روشن رہیگی اسی پر لوگوں نے ایک مثال لکھی ہے کہ دیوار جب دھوپ سے روشن ہوئی تو اس نے آفتاب کو

کہا کہ میں بھی تیری طرح روشن ہوں آفتاب نے کہا کہ رات کو جب میں نہ ہونگا تو پھر کہاں سے تو روشنی لیگی اسی طرح انسان کو جو روشنی عطا ہوتی ہے وہ بھی مستقل نہیں ہوتی بلکہ عارضی ہوتی ہے اور ہمیشہ اُسے اپنے ساتھ رکھنے کے لئے استغفار کی ضرورت ہے انبیاء جو استغفار کرتے ہیں اُس کی بھی یہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ ان باتوں سے آگاہ ہوتے ہیں اور انکو خطرہ لگا رہتا ہے کہ نور کی جو چادر ہمیں عطا کی گئی ہے ایسا نہ ہو کہ وہ چھین جائے نادان لوگ لاعلمی کی وجہ سے یہ کہتے ہیں اور فخر کرتے ہیں کہ مسیح استغفار نہ کرتا تھا حالانکہ یہ بات کسی قسم کے ناز کی نہیں بلکہ رونے اور افسوس کرنیکی ہے اگر وہ استغفار نہ کرتا تھا تو گویا اُس نور سے بالکل محروم تھا جو اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدوں کو عطا کیا کرتا ہے کوئی نبی جسقدر زیادہ استغفار کرنیوالا ثابت ہوگا اُسی قدر اُسکا درجہ بڑا اور بلند ہوگا لیکن جس کو یہ حالت حاصل نہیں تو وہ خطرہ میں ہے اور ممکن ہے کہ کسی وقت اُس سے وہ چادر حفاظت کی چھین لی جاوے کیونکہ نبیوں کو بھی وہ مستعار طور پر ملتی ہے اور وہ پھر استغفار کے ذریعہ سے مدامی طور پر رکھتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اصل انوار تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور نبی ہو یا کوئی اور سب خدا سے انہیں حاصل کرتے ہیں سچّے نبی کی یہی علامت ہے کہ وہ اس روشنی کی حفاظت بذریعہ استغفار کے کرے۔ استغفار کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ موجودہ نور جو خدا سے حاصل ہوا ہے اور زیادہ ملے اسی کی تحصیل کیلئے پنجگانہ نماز بھی ہے تا کہ ہر روز دل کھول کھول کر اس روشنی کو خدا سے مانگ لیوے جسے بصیرت ہے وہ جانتا ہے کہ نماز ایک معراج ہے وہ نماز ہی کی تضرّع اور ابتہال سے بھری ہوئی دعا ہے جس سے یہ امراض سے رہائی پا سکتا ہے وہ لوگ بہت بیوقوف ہیں جو دوری ڈالنے والی تاریکی کا علاج نہیں کرتے میرے پاس اکثر خطوط آتے ہیں اور اُن میں یہی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ میرے املاک کے لئے یا اولاد کیلئے دعا ہو فلاں مقدمہ ہے یا فلاں مرض ہے وہ اچھا ہو جاوے لیکن مشکل سے کوئی خط ایسا ہوتا ہے جسمیں ایمان یا ان تاریکیوں کے دُور ہونے کیلئے درخواست کی گئی ہو۔ بعض خطوط میں یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اگر مجھے پانسو روپیہ ملجاوے تو میں بیعت کروں۔ بیوقوفوں کو اتنا خیال نہیں کہ جن باتوں کو ہم چھڑانا چاہتے ہیں وہی ہم سے طلب کیجاتی ہیں اسی لئے میں اکثر لوگوں کی بیعت سے خوف کرتا ہوں کیونکہ سچّی بیعت کرنیوالے بہت کم ہوتے ہیں بعض تو ظاہری شروط لگاتے ہیں جیسے کہ اوپر ذکر ہوا ہے اور بعض لوگ بعد بیعت کے ابتلا میں پڑ جاتے ہیں جیسے کہ کسی کا لڑکا مر گیا تو شکایت کرتا ہے کہ مینے تو بیعت کی تھی یہ صدمہ مجھے کیوں ہوا اُس نادان کو یہ خیال نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ پیغمبر تھے مگر آپ کے گیارہ لڑکے فوت ہو گئے مگر کبھی شکایت نہ کی کہ خداوندا تُو نے مجھے پیغمبر بنایا تھا میرے گیارہ بچے کیوں مار دیئے۔ غرضکہ یاد رکھو کہ دین کو دنیا سے ہرگز نہ ملانا چاہیئے اور بیعت اس نیت سے ہرگز نہ کرنی چاہیئے کہ میں بادشاہ بھی بنجاؤں گا یا ایسی کیمیا حاصل ہو جائیگی کہ گھر بیٹھے روپیہ بنتا رہیگا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تو اس لئے مامور کیا ہے کہ ان باتوں سے لوگوں کو چھڑا دیویں ہاں یہ بات ضرور ہے

کہ جو لوگ صدق اور وفا سے خدا کی طرف آتے ہیں اور اُسکے لئے ہر ایک دُکھ اور مصیبت کو سر پر لیتے ہیں تو خدا انکو اور انکی اولاد کو ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ حضرت داؤد علیہ السّلام کہتے ہیں کہ میں بوڑھا ہو گیا لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ صالح آدمی کی اولاد ضائع ہے خدا تعالیٰ خود اُس کا متکفّل ہوتا ہے لیکن ابتدا میں ابتلا کا آنا ضروری ہے تا کہ کھوٹے اور کھرے کی شناخت ہو جاوے۔ شعر: عشق اوّل سرکش و خونی بود۔ تا گریزد ہر کہ بیرونی بود۔
دوسرے ابتلاء اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو دکھلاوے کہ جو ہماری طرف آنیوالے ہیں وہ کیسے مستقل مزاج اور جفاکش ہوتے ہیں کہ مار پر مار کھاتے ہیں لیکن مُنہ نہیں پھیرتے اور جب وہ ثابت قدم نکل آتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اُن سے وہی سُنّت برتتا ہے جو منعم علیہ گروہ سے برتنی چاہیئے۔

ابتلاء کا آنا ضروری ہے مگر خدا ظالم نہیں

میں خدا تعالیٰ سے زیادہ پیارا رحیم اور محبت کرنیوالا کوئی نہیں جانتا لیکن اخلاص ضروری ہے کوئی دل سے اُس کا ہو تو پھر دیکھے کہ آیا مخلص کیلئے دستگیری اور کفالت اس کی بخوبی ہے کہ نہیں لیکن جو اُسے آزماتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اسلام لایا اور بعد ازاں اندھا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اسلام قبول کرنے سے مجھ پر یہ آفت آئی اس لئے کافر ہو گیا آنحضرتؐ نے اُسے بہت سمجھایا لیکن نہ مانا حالانکہ اگر وہ مسلمان رہتا تو خدا تو اس بات پر قادر تھا کہ اُسے دوبارہ بینائی بخشتا لیکن کافر ہو کر دنیا سے تو اندھا تھا دین سے بھی اندھا بن گیا۔ مجھے فکر ہے کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ جو خدا کو آزماتے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خود آزمائے جائیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو مجھ پر ایمان لاوے اوّل مصائب کے لئے تیار رہے مگر یہ سب کچھ اوائل میں ہوتا ہے اگر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر فضل کر دیتا ہے۔ کیونکہ مومن کیلئے دو حالتیں ہیں اوّل تو یہ کہ جب ایمان لاتا ہے تو مصائب کا ایک دوزخ اُسکے لئے تیار کیا جاتا ہے جس میں اُسے کچھ عرصہ رہنا پڑتا ہے اور اُسکے استقلال کا امتحان کیا جاتا ہے اور جب وہ اُس میں ثابت قدمی دکھاتا ہے تو دوسری حالت یہ ہے کہ اس دوزخ کو جنت سے بدل دیا جاتا ہے جیسے کہ بخاری میں حدیث ہے کہ مومن بذریعہ نوافل کے اللہ تعالیٰ سے یہانتک قُرب حاصل کرتا ہے کہ وہ اسکی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور اُسکے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سُنتا ہے اور اُسکے ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے اور اُسکے پاؤں ہو جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اسکی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور ایسے ہی لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ من عادی لی ولیاً فقد اٰذنتہٗ للحرب کہ جو شخص میرے ولی سے عداوت کرتا ہے وہ جنگ کے لئے تیار ہو جاوے۔ اسقدر غیرت خدا کو اپنے بندہ کیلئے ہوتی ہے پھر دوسری جگہ فرماتا ہے کہ مجھے کسی شئے سے اسقدر تردّد نہیں ہوتا کہ جسقدر مومن کی جان لینے سے ہوتا ہے اور اسی لئے

وہ کئی دفعہ بیمار ہوتا ہے اور پھر اچھا ہو جاتا ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی جان لینا چاہتا ہے مگر پھر اُسے مہلت دیدیتا ہے کہ کچھ عرصہ تک اور دنیا میں رہ لیوے۔

اس جماعت کو طیار کرنے سے غرض یہی ہے کہ زبان۔ کان۔ آنکھ اور ہر ایک عضو میں تقویٰ سرائت کر جاوے۔ تقویٰ کا نور اسکے اندر اور باہر ہو۔ اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ ہو اور بیجا غصّہ اور غضب وغیرہ بالکل نہ ہو۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ جماعت کے اکثر لوگوں میں غصّہ کا نقص اب تک موجود ہے۔ تھوڑی تھوڑی بات پر کینہ اور بُغض پیدا ہو جاتا ہے اور آپس میں لڑ جھگڑ پڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا جماعت میں سے کچھ حصّہ نہیں ہوتا۔ اور مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ اسمیں کیا دقّت پیش آتی ہے کہ اگر کوئی گالی دے تو دوسرا چُپ ہو رہے اور اُس کا جواب نہ دے۔ ہر ایک جماعت کی اصلاح اوّل اخلاق سے شروع ہُوا کرتی ہے کہ ابتدا میں صبر سے تربیت میں ترقی کرے اور سب سے عمدہ ترکیب یہ ہے کہ اگر کوئی بدگوئی کرے تو اسکے لئے دردِ دل سے دُعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اُسکی اصلاح کر دیوے اور دل میں کینہ کو ہرگز نہ بڑھاوے۔ جیسے دنیا کے قانون ہیں ویسے خدا کا بھی قانون ہے۔ جب اپنے قانون کو نہیں چھوڑتی تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون کو کیسے چھوڑ دے۔ پس جبتک تبدیلی نہ ہو گی تب تک تمہاری قدر اسکے نزدیک کچھ نہیں خدا تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حلم اور صبر اور عفو جو عمدہ صفات ہیں انکی جگہ درندگی ہو اگر تم ان صفات حسنہ میں ترقی کرو گے تو بہت جلد خدا تک پہنچ جاؤ گے لیکن مجھے افسوس ہے کہ جماعت کا ایک حصّہ ابھی تک ان اخلاق میں کمزور ہے ان باتوں سے صرف شماتت اعداء ہی نہیں ہے بلکہ ایسے لوگ خود بھی قُرب کے مقام سے گرائے جاتے ہیں۔

اصلاح کے لحاظ سے خَلق اور خُلق میں فرق

یہ سچ ہے کہ سب انسان ایک مزاج کے نہیں ہوتے اسی لئے قرآن شریف میں آیا ہے کُلٌّ یَّعۡمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ بعض آدمی اگر ایک قسم کے اخلاق میں عمدہ ہیں تو دوسری قسم میں کمزور۔ اگر ایک خُلق کا رنگ اچھا ہے تو دوسرے کا بُرا۔ لیکن تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصلاح ناممکن ہے۔ خُلق سے مراد ہماری شیریں کلامی نہیں ہے بلکہ خَلق اور خُلق دو لفظ ہیں۔ آنکھ۔ کان۔ ناک وغیرہ جس قدر اعضاء ظاہری ہیں جن سے انسان کو حسین وغیرہ کہا جاتا ہے یہ سب خَلق کہلاتے ہیں اور اسکے مقابل پر باطنی قویٰ کا نام خُلق ہے مثلاً عقل۔ فہم۔ شجاعت۔ عفت۔ صبر۔ وغیرہ اس قسم کے جسقدر قویٰ سرشت میں ہوتے ہیں وہ سب اسی میں داخل ہیں۔ اور خلق کو خَلق پر اس لئے ترجیح ہے کہ خَلق یعنی ظاہری جسمانی اعضاء میں اگر کسی قسم کا نقص ہو تو وہ ناقابل علاج ہوتا ہے۔ مثلاً اگر ہاتھ چھوٹا پیدا ہُوا ہے تو اسکو بڑا نہیں کر سکتا لیکن خُلق میں اگر کوئی کمی بیشی ہو تو اسکی اصلاح ہو سکتی ہے۔ ذکر کرتے ہیں کہ افلاطون کو علم فراست

میں بہت دخل تھا اور اس لئے دروازہ پر ایک دربان مقرر کیا ہوا تھا جس کو حکم تھا کہ جب کوئی شخص ملاقات کو آوے تو اول اُس کا حلیہ بیان کرو اس حلیہ کے ذریعہ وہ اُس کے اخلاق کا حال معلوم کر کے پھر اگر قابل ملاقات سمجھتا تو ملاقات کرتا ورنہ رد کر دیتا۔ ایک دفعہ ایک شخص اُسکی ملاقات کے لئے آیا۔ دربان نے اطلاع دی اُسکے نقوش کا حال سن کر افلاطون نے ملاقات کا انکار کر دیا اسپر اس شخص نے کہلا بھیجا کہ افلاطون سے کہدو کہ جو کچھ تم نے سمجھا ہے بالکل درست ہے مگر میں نے قوت مجاہدہ سے اپنی اصلاح کر لی ہے اسپر افلاطون نے ملاقات کی اجازت دیدی۔ پس خلق ایسی شئے ہے جس میں تبدیلی ہو سکتی ہے اگر تبدیلی نہ ہو سکتی تو یہ ظلم تھا لیکن دعا اور عمل سے کام لوگے تب اس تبدیلی پر قادر ہو سکو گے۔ عمل اس طرح پر کہ اگر کوئی شخص ممسک ہے تو وہ قدرے قدرے خرچ کرنیکی عادت ڈالے اور نفس پر جبر کرے آخر کچھ عرصہ کے بعد نفس میں ایک تغیر عظیم دیکھ لیگا اور اسکی عادت امساک کی دور ہو جاویگی۔ اخلاق کمزوری بھی ایک دیوار ہے جو خدا اور بندہ کے درمیان حائل ہو جاتی ہے ؛

مذہب کی غرض وحدت جمہوری ہے اور نماز و دینی امور کے اسرار

اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ تمام انسانوں کو ایک نفس واحد کی طرح بنا دے اس کا نام وحدت جمہوری ہے جس سے بہت سے انسان بحالت مجموعی ایک انسان کے حکم میں سمجھا جاتا ہے۔ مذہب سے بھی یہی منشاء ہوتا ہے کہ تسبیح کے دانوں کی طرح وحدت جمہوری کے ایک تاگے میں سب پروئے جائیں۔ یہ نمازیں با جماعت جو ادا کیجاتی ہیں وہ بھی اسی وحدت کے لئے ہیں تا کل نمازیوں کا ایک وجود شمار کیا جاوے اور آپسمیں ملکر کھڑے ہونیکا حکم اسلئے ہے کہ جس کے پاس زیادہ نور ہے وہ دوسرے کمزور میں سرائت کر کے اُسے قوت دیوے حتیٰ کہ حج بھی اسی لئے ہے اس وحدت جمہوری کو پیدا کرنے اور قائم رکھنے کی ابتدا اسطرح سے اللہ تعالیٰ نے کی ہے کہ اول یہ حکم دیا کہ ہر ایک محلہ والے پانچوقت نمازوں کو محلہ کی مسجد میں ادا کریں تا کہ اخلاق کا تبادلہ آپسمیں ہو اور انوار مل ملا کر کمزوری کو دور کر دیں اور آپس میں تعارف ہو کر انس پیدا ہو جاوے تعارف بہت عمدہ شئے ہے کیونکہ اس سے انس بڑھتا ہے جو کہ وحدت کی بنیاد ہے حتیٰ کہ تعارف والا دشمن ایک نا آشنا دوست سے بہت اچھا ہوتا ہے کیونکہ جب غیر ملک میں ملاقات ہو تو تعارف کی وجہ سے دلوں میں اُنس پیدا ہو جاتا ہے وجہ اسکی یہ ہوتی ہے کہ کینہ والی زمین سے الگ ہونے کے باعث بغض جو کہ عارضی شئے ہوتا ہے وہ تو دور ہو جاتا ہے اور صرف تعارف باقی رہ جاتا ہے۔ پھر دوسرا حکم یہ ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں جمع ہوں کیونکہ ایک شہر کے سب لوگوں کا ہر روز جمع ہونا تو مشکل ہے اس لئے یہ تجویز کی کہ شہر کے سب لوگ ہفتہ میں ایک دفعہ ملکر تعارف اور وحدت پیدا کریں آخر کبھی نہ کبھی تو سب ایک ہو جاوینگے۔ پھر سال کے بعد عیدین میں کہ دیہات اور شہر کے لوگ ملکر نماز ادا کریں تا کہ تعارف اور اُنس بڑھ کر وحدت جمہوری پیدا ہو۔ پھر اسی طرح تمام دنیا

کے اجتماع کیلئے ایک دن عمر بھر میں مقرر کردیا کہ مکہ معظمہ کے میدان میں سب جمع ہوں غرضکہ اسطرح سے اللہ تعالےٰ نے چاہا کہ آپس میں اُلفت اور اُنس ترقی پکڑے۔ افسوس کہ ہمارے مخالفوں کو اس بات کا علم نہیں کہ اسلام کا فلسفہ کیسا پکا ہے۔ دنیوی حکام کی طرف سے جو احکام پیش ہوتے ہیں ان میں تو انسان ہمیشہ کیلئے ڈھیلا ہو سکتا ہے لیکن خدا کے احکام میں ڈھیلا پن اور اُس سے بکلی روگردانی کبھی ممکن ہی نہیں۔ کونسا ایسا مسلمان ہے جو کم از کم عیدین میں بھی نماز نہ ادا کرتا ہو۔ پس ان تمام اجتماعوں کا یہ فائدہ ہوگا کہ ایک کے انوار دوسرے میں اثر کرکے اُسے قوت بخشیں؛

اِصلاحِ نفس اور اخلاق کا ذریعہ اور اخلاص کی ضرورت

نفس اور اخلاق کی پاکیزگی حاصل کرنیکا ایک بڑا ذریعہ صحبت صادقین بھی ہے جسکی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے کہ کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ یعنی تم خدا کے صادق اور راستباز لوگوں کی صحبت اختیار کرو تاکہ انکی صدق کے انوار سے تم کو بھی حصہ ملے۔ جو مذاہب کہ تفرقہ پسند کرتے ہیں اور الگ رہنے کی تعلیم دیتے ہیں وہ یقیناً وحدت جمہوری کی برکات سے محروم رہتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا کہ ایک نبی ہو جو کہ جماعت بنادے اور اخلاق کے ذریعہ آپس میں تعارف اور وحدت پیدا کرے۔ درستی اخلاق کے بعد دوسری بات یہ ہے کہ دُعا کے ذریعہ سے خدا کی پاک محبت حاصل کیجاوے۔ ہر ایک قسم کے گناہ اور بدی سے دُور رہے اور ایسی حالت میسر ہو کہ جسقدر اندرونی آلودگیاں ہیں اُن سب سے الگ ہوکر ایک مصفا قطرہ کی طرح بنجاوے۔ جبتک یہ حالت میسر نہ ہوگی تب تک خطرہ ہی خطرہ ہے لیکن دعا کے ساتھ تدابیر کو نہ چھوڑے کیونکہ اللہ تعالیٰ تدبیر کو بھی پسند کرتا ہے اور اسی لئے وَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا کہکر قرآن شریف میں قسم بھی کھائی ہے۔ جب وہ اس مرحلہ کو طے کرنیکے لئے دعا بھی کریگا اور تدبیر سے بھی اسطرح کا کام لیگا کہ جو مجلس اور صحبت اور تعلقات اسکو حارج ہیں ان سب کو ترک کردیگا اور رسم اور عادت اور بناوٹ سے الگ ہوکر دعا میں مصروف ہوگا تو ایک دن قبولیت کے آثار مشاہدہ کرلیگا۔ یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ کچھ عرصہ دعا کرکے پھر رہ جاتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ ہم نے اس قدر دعا کی مگر قبول نہ ہوئی حالانکہ دعا کا حق تو ان سے ادا ہی نہ ہوا۔ تو قبول کیسے ہو۔ اگر ایک شخص کو بھوک لگی ہو یا سخت پیاس لگی ہو اور وہ صرف ایک دانہ یا ایک قطرہ لیکر شکایت کرے کہ مجھے سیری حاصل نہیں ہوئی تو کیا اُسکی شکایت بجا ہوگی؟ ہرگز نہیں جبتک وہ پوری مقدار کھانے اور پینے کی نہ لیگا تب تک کچھ فائدہ نہ ہوگا یہی حال دعا کا ہے۔ اگر انسان لگ کر اسکو کرے اور پورے آداب سے بجالاوے اور وقت بھی میسر آوے تو اُمید ہے کہ ایک دن اپنی مراد کو پالیوے لیکن راستہ میں ہی چھوڑ دینے سے صدہا انسان مرگئے (گمراہ ہوگئے) اور صدہا ابھی آئندہ مرنیکو طیار ہیں۔ ایک من پیشاب میں ایک قطرہ پانی کا کیا شے ہے جو اسے پاک کرے اسی طرح وہ بداعمالیاں جنمیں لوگ

سر سے پاؤں تک غرق ہیں ان کے ہونے ہوئے چند دن کی دعا کیا اثر دکھا سکتی ہے۔ پھر عجب خود بینی تکبر اور ریا وغیرہ ایسے امراض لگے ہوئے ہوتے ہیں جو عمل کو ضائع کر دیتے ہیں ؛

نیک عمل کی مثال ایک پرند کی طرح ہے اگر صدق اور اخلاص کے قفس میں اسے قید رکھو گے تو وہ رہیگا ورنہ پرواز کر جاویگا اور یہ بجز خدا کے فضل کے حاصل نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ١٦ ع ٣ عمل صالح سے یہاں یہ مراد ہے کہ اس میں کسی قسم کی بدی کی آمیزش نہ ہو صلاحیت ہی صلاحیت ہو نہ عجب ہو نہ کبر ہو نہ نخوت ہو نہ تکبر ہو نہ نفسانی اغراض کا کوئی حصہ ہو نہ رو بخلق ہو حتیٰ کہ دوزخ اور بہشت کی خواہش بھی نہ ہو صرف خدا کی محبت سے وہ عمل صادر ہو جبتک دوسری قسم کی غرض کو دخل ہے تب تک ٹھوکر کھائیگا اور اس کا نام شرک ہے کیونکہ وہ دوستی اور محبت کس کام کی جس کی بنیاد صرف ایک پیالہ چاء یا دوسری خالی محبوبات تک ہی ہے ایسا انسان جس دن اس میں فرق آتا دیکھیگا اسی دن قطع تعلق کریگا۔ جو لوگ اس لئے خدا تعالیٰ سے تعلق باندھتے ہیں کہ ہمیں مال ملے یا اولاد حاصل ہو یا ہم فلاں فلاں امور میں کامیاب ہو جاویں اُن کے تعلقات عارضی ہوتے ہیں اور ایمان بھی خطرہ میں ہے جس دن ان کے اغراض کو کوئی صدمہ پہنچا اسی دن ایمان میں بھی فرق آجاویگا اس لئے پکا مومن وہ ہے جو کسی سہارے پر خدا کی عبادت نہیں کرتا ؛

راستبازوں کی ہٹ

راستبازوں کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ مصیبت سے ان کو چڑ ہوتی ہے اور جب ایسے موقع پر شیطان دخل دیکر اُن کو بہکانا چاہتا ہے تب اُن کی غیرت جوش مارتی ہے اور بجائے اسکے کہ انکا قدم پیچھے ہٹے وہ آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیطان ہمیں ہرگز پیچھے نہیں ڈال سکتا۔ شیطان بھی ایسے موقع پر ہر ایک قسم کے منصوبے اس لغزش کیلئے پیش کرتا ہے۔ مال۔ اولاد۔ عزت۔ آبرو۔ خلقت کی ملامت طعن۔ تشنیع وغیرہ سب نقصانوں سے ڈراتا ہے لیکن وہ اول ہی سے فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم ان نقصانوں کی کچھ پروا نہ کرینگے آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان انکے نزدیک ایک مخنث سے بھی کمتر ہوتا ہے لیکن جس کا دعویٰ تو ایمان کا ہو اور دماغ میں نفسانی اغراض بھرے ہوئے ہوتے ہیں تو شیطان بڑی آسانی سے اپنا تسلط اُس پر بٹھاتا ہے اور جس راستہ چاہتا ہے چلاتا ہے۔ خوب یاد رکھو کہ سفلی خواہشات سے شیطان کا مقابلہ ہرگز نہ ہو سکیگا

شیطان کے وجود کا ثبوت

ممکن ہے کہ بعض لوگ یہاں ایسے ہوں کہ جو شیطان کے وجود ہی سے منکر ہوں لیکن میں کہتا ہوں کہ اسکے

وجود سے انکار بھی نادانی ہے کیا وہ مشاہدہ نہیں کرتے کہ انسان میں دو قوّتیں موجود ہیں بیٹھے بیٹھے ایک لہر اُسکے دل میں آتی ہے کہ نیکی کروں اور اکثر اوقات وہ اس کا ایسا پابند ہو جاتا ہے کہ بلا اُسکے تقاضا کے پورا کیئے کے رہ نہیں سکتا اور اسی طرح کبھی اسکے دل میں ایسی لہر اُٹھتی ہے کہ جو بدی کی طرف رغبت دلاتی ہے اور وہ گھر سے اُٹھ کر کنجروں کی طرف چلا جاتا ہے۔ پس یہ دو قوّتیں ہیں جنہیں بدی کے محرک کا نام شیطان رکھ لو۔ انسان کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ابتدائی مراحل میں ہر ایک شئے کی حقیقت کو سمجھ لیوے جیسے جیسے بتدریج اسکی معرفت ترقی کرتی ہے ویسے ویسے وہ باریک در باریک امور کو سمجھتا جاتا ہے آسمان کے ستاروں کو دیکھو کہ وہ اوّل سوائے نقطوں کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتے مگر جب انہیں نقطوں کو دوربینوں سے دیکھا جاوے تو کس قدر عجائبات معلوم ہوتے ہیں اور سابقہ معرفت اسکے آگے ہیچ نظر آتی ہے اور انسان کچھ شرمندہ ہونا پڑتا ہے کہ میں نے اسکو نقطہ کیوں سمجھا۔ ایسی ہی شیطان اور فرشتہ کے وجود کا حال ہے کہ انکو اوّل نقطوں کی طرح ماننا پڑتا ہے اور پھر اُس دوربین سے جو انبیائ لیکر آتے ہیں دیکھا جاوے تو انکی اصل حقیقت معلوم ہوتی ہے یہ تو جملہ معترضہ تھا کہ جو درمیان میں آگیا پھر میں اصل مطلب کو بیان کرتا ہوں کہ اگر تم اپنی اصلاح چاہتے ہو تو یہ بھی لازمی امر ہے کہ گھر کی عورتوں کی اصلاح کرو۔

عورتیں بت پرستی کی جڑ ہیں، پردہ کی ضرورت اور اُسکی فلاسفی اور اصلاح نفس کے مراحل

عورتیں بُت پرستی کی جڑ ہیں کیونکہ ان کی طبائع کا میلان زینت پرستی کی طرف ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بت پرستی کی ابتداء انہیں سے ہوئی ہے بزدلی کا مادّہ بھی ان میں زیادہ ہوتا ہے کہ ذرا سی سختی پر اپنی جیسی مخلوق کے آگے ہاتھ جوڑنے لگ جاتی ہیں اس لئے جو لوگ زن پرست ہوتے ہیں رفتہ رفتہ اُن میں بھی یہ عادتیں سرایت کر جاتی ہیں پس بہت ضروری ہے کہ اُنکی اصلاح کی طرف متوجہ رہو خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ اور اسی لئے مرد کو عورتوں کی نسبت قویٰ زیادہ دیئے گئے ہیں۔ اسوقت جو نئی روشنی کے لوگ مستورات پر زور دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کے حقوق مساوی ہیں انکی عقلوں پر تعجب آتا ہے وہ ذرا مردوں کی جگہ عورتوں کی فوجیں بنا کر جنگوں میں بھیجکر دیکھیں تو سہی کہ کیا نتیجہ مساوی نکلتا ہے یا مختلف ایک طرف تو اُسے حمل ہو اور ایک طرف جنگ ہے وہ کیا کر سکیگی۔ غرضکہ عورتوں میں مردوں کی نسبت قویٰ کمزور ہیں اور کم بھی ہیں اسلئے مرد کو چاہیئے کہ عورت کو اپنے ماتحت رکھے۔

یورپ کی طرح بے پردگی پر بھی یہ لوگ زور دے رہے ہیں لیکن یہ ہرگز مناسب نہیں یہی عورتوں کی آزادی فسق و فجور کی جڑ ہے جن ممالک نے اس قسم کی آزادی کو روا رکھا ہے۔ ذرا اُنکی اخلاقی حالت کو اندازہ کرو اگر اس آزادی اور بے پردگی سے انکی عفت اور پاکدامنی بڑھ گئی ہے تو ہم مان لینگے کہ ہم غلطی پر ہیں لیکن یہ بات بہت ہی صاف ہے

کہ جب مرد اور عورت جوان ہوں اور آزادی اور بے پردگی بھی ہو تو انکے تعلقات کسقدر خطرناک ہونگے۔ بار نظر ڈالنی اور نفس کے جذبات سے اکثر مغلوب ہو جانا انسان کا خاصہ ہے پھر جس حالت میں کہ پردہ میں بے انتہا البیان ہوتی ہیں اور فسق و فجور کے مرتکب ہو جاتے ہیں تو آزادی میں کیا کچھ نہ ہوگا۔ مردوں کی حالت کا اندازہ کرو کہ وہ کسطرح بے لگام گھوڑی کی طرح ہو گئے ہیں نہ خدا کا خوف ہو رہا ہے نہ آخرت کا یقین ہے دنیاوی لذات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے پس سب سے اوّل ضروری ہے کہ اس آزادی اور بے پردگی سے پہلے مردوں کی اخلاقی حالت درست کرو اگر یہ درست ہو جاوے اور مردوں میں کم از کم اس قدر قوت ہو کہ وہ اپنے نفسانی جذبات کے مغلوب نہ ہو سکیں تو اس وقت اس بحث کو چھوڑو کہ آیا پردہ ضروری ہے یا نہیں ورنہ موجودہ حالت میں اس بات پر زور دینا کہ آزادی اور بے پردگی ہو گویا بکریوں کو شیروں کے آگے رکھدینا ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کسی بات کے نتیجہ کو غور نہیں کرتے کم سے کم اپنی کانشنس سے ہی کام لیں کہ آیا مردوں کی حالت ایسی اصلاح شدہ ہے کہ عورتوں کو بے پردہ انکے سامنے رکھا جاوے۔ قرآن شریف نے جو کہ انسان کی فطرت کے تقاضوں اور کمزوریوں کو مدِّ نظر رکھکر حسب حال تعلیم دیا ہے کیا مسلک عمدہ اختیار کیا ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ کہ تو ایمان والوں سے کہدے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنے سوراخوں کی حفاظت کریں یہ وہ عمل ہے جس سے انکے نفوس کا تزکیہ ہوگا۔ فروج سے مراد شرمگاہ ہی نہیں بلکہ ہر ایک سوراخ جس میں کان وغیرہ بھی شامل ہیں اور اس میں اس امر کی مخالفت کی گئی ہے کہ غیر محرم عورت کا راگ وغیرہ سُنا جاوے پھر یاد رکھو کہ ہزار در ہزار تجارب سے یہ ثابت شدہ بات ہے کہ جن باتوں سے اللہ تعالیٰ روکتا ہے آخر کار انسان کو اُن سے رُکنا ہی پڑتا ہے (تعدّد ازواجی اور طلاق کے مسئلہ پر غور کرو) ہرچہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از

آریہ سماج میں بے پردگی

ہمیں افسوس ہے کہ آریہ صاحبان بھی بے پردگی پر زور دیتے ہیں اور قرآن شریف کے احکام کی مخالفت چاہتے ہیں حالانکہ اسلام کا یہ بڑا احسان ہندوستان پر ہے کہ اس نے انکو تہذیب سکھائی اور اسکی تعلیم ایسی ہے جس سے مفاسد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے مثلاً مشہور ہے خربستہ بہ گرچہ دزد آشنا ہست یہی حالت مرد اور عورت کے تعلقات کی ہے کہ اگرچہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن تاہم فطری جوش اور تقاضے بعض اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جب انکو ذرا سی تحریک ہوئی تو جھٹ پٹ حدِ اعتدال سے اِدھر اُدھر ہو گئے۔ اسلئے ضروری ہے کہ مرد اور عورت کے تعلقات میں حدود شرع کی آزادی وغیرہ کو ہرگز دخل نہ دیا جاوے۔ ذرا اپنے دلوں میں غور کرو کہ کیا تمہارے راجہ رامچندر اور کرشن وغیرہ کی طرح پاک ہو گئے ہیں پھر جب وہ پاک دلی تم کو نصیب نہیں ہوئی تو بے پردگی کو رواج دیکر بکریوں کو شیروں کے آگے کیوں رکھتے ہو ہٹ اور ضد اور تعصب اور

چراو غیرہ سے تم لوگ دیدہ و دانستہ اسلام کے ان پاکیزہ اصول کی مخالفت کیوں کرتے ہو جن سے تمہاری عفت برقرار رہتی ہے عقل تو اس بات کا نام ہے کہ انسان کو نیک بات جہاں سے ملے وہ لے لیوے کیونکہ نیک بات کی مثال سونے اور ہیرے اور جواہر کی ہے اور یہ اشیاء خواہ کہیں ہوں آخر وہ سونا وغیرہ ہی ہونگی۔ اس لئے تم کو لازم ہے کہ اسلام کے نام سے چڑکر تم نیکی کو ترک نہ کرو ورنہ یاد رکھو کہ اسلام کا تو کچھ نہیں حرج نہیں ہے اور اگر اس کا ضرر ہے تو تم کو ہی ہے۔ ہاں اگر تم لوگوں کو یہ اطمینان ہے کہ سب کے سب بھگت بن گئے ہو اور نفسانی جذبات پر تم کو پوری قدرت حاصل ہے اور قوی پرمیشر کی رضا اور احکام کے برخلاف بالکل حرکت نہیں کرتے تو پھر ہم تم کو منع نہیں کرتے بیشک بے پردگی کو رواج دو لیکن جہاں تک میرا خیال ہے ابھی تک تم کو وہ حالت نصیب نہیں اور تم میں سے جسقدر لوگ لیڈر بنکر قوم کی اصلاح کے درپے ہیں انکی مثال سفید قبر کی ہے جس کے اندر بجز ہڈیوں کے اور کچھ نہیں کیونکہ ان کی صرف باتیں ہی ہیں عمل وغیرہ کچھ نہیں ؛

اسلام نے جو یہ حکم دیا ہے کہ مرد عورت سے اور عورت مرد سے پردہ کرے اس سے غرض یہ ہے کہ نفس انسان پھسلنے اور ٹھوکر کھانیکی حد سے بچا رہے کیونکہ ابتدا میں اسکی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ بدیوں کی طرف جھکا رہتا ہے اور ذراسی بھی تحریک ہو تو بدی پر ایسے گرتا ہے جیسے کئی دن کا بھوکا آدمی کسی لذیذ کھانے پر۔ یہ انسان کا فرض ہے کہ اسکی اصلاح کرے اور اسکی اصلاح کی حالتوں کے لحاظ سے اسکے چار نام مقرر کیئے گئے ہیں۔ اوّل اوّل نفس اس کا مزکی ہوتا ہے کہ جسکو نیکی بدی کی کوئی خبر نہیں ہوتی اور یہ حالت طفلگی تک رہتی ہے۔ پھر نفس امّارہ ہوتا ہے کہ بدیوں کی طرف ہی مائل رہتا ہے اور انسان کو طرح طرح کے فسق و فجور میں مبتلا کرتا ہے اور اسکی بڑی غرض یہ ہوتی ہے کہ ہر وقت بدی کا ارتکاب ہو کبھی چوری کرتا ہے کوئی گالی دے یا ذرا خلاف مرضی کام ہو تو اُسے مارنے کو طیار ہوجاتا ہے اگر شہوت کی طرف غلبہ ہو تو گناہوں اور فسق و فجور کا سیلاب بہ نکلتا ہے دوسرا نفس لوّامہ ہے کہ اس میں بدیاں بالکل دُور تو نہیں ہوتیں مگر ہاں ایک پچھتاوا اور حسرت اور افسوس ہر تک اپنے دل میں محسوس کرتا ہے اور جب بدی ہوجاوے تو اس کے دل میں نیکی اس کا معاوضہ کرنیکی خواہش ہوتی ہے اور تدبیر کرتا ہے کہ کسی طرح گناہ سے بچنے اور دعا میں لگتا ہے کہ زندگی پاک ہوجاوے اور ہوتے ہوتے جب بیگناہ سے تو بہتر ہوجاتا ہے تو اس کا نام مطمئنہ ہوجاتا ہے اور اس حالت میں وہ بدی کو ایسی ہی بدی سمجھتا ہے۔ بات یہ ہے کہ دنیا اصل میں گناہ کا گھر ہے جس میں سرکشیوں میں پڑکر انسان خدا کو بھلا دیتا ہے نفس امّارہ کی حالت میں تو اس کے پاؤں میں زنجیریں ہوتی ہیں اور لوّامہ میں کچھ زنجیریں پاؤں میں ہوتی ہیں اور کچھ اُتر جاتی ہیں مگر مطمئنہ میں کوئی زنجیر باقی نہیں رہتی سب کی سب اُتر جاتی ہیں اور یہی زمانہ انسان کا خدا کی طرف پہنچے رجوع کا ہوتا ہے اور وہی خدا کے کامل بندے ہوتے ہیں جو کہ نفس مطمئنہ کے ساتھ دنیا

سے علیحدہ ہو ویں اور جب تک وہ اسے حاصل نہ کرلے تب تک اسے مطلق علم نہیں ہوتا کہ جنت میں جائیگا یا دوزخ میں پس جبکہ انسان بلا حصول نفس مطمئنہ کے نہ پوری پاکیزگی حاصل کرسکتا ہے اور نہ جنت میں داخل ہوسکتا ہے تو اب خواہ آریہ ہوں یا عیسائی کونسی عقلمندی ہے کہ قبل اسکے کہ یہ نفس حاصل ہو وہ بھیڑیوں اور بکریوں کو اکٹھا چھوڑ دیں کیا انکو امید ہے کہ وہ پاک اور بے شر زندگی بسر کرلینگے یہ ہے سِرّ اسلامی پردہ کا اور مَیں نے خصوصیت سے اُن مسلمانوں کیلئے بیان کیا ہے جنکو اسلام کے احکام اور حقیقت کی خبر نہیں اور مجھے اُمید ہے کہ آریہ لوگ اس سے بہت کم مستفید ہونگے کیونکہ انکو تو اسلام کی ہر ایک بھلی بات سے چڑ ہے :۔

حضرت مسیح موعود میرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا اور انکی اتباع کرنا فرض ہے

اور مَیں نے بہت سی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ یہ بات سمجھا دی ہوئی ہے کہ مَیں وہ مسیح ہوں جسکا ذکر اور وعدہ اجمالاً قرآن میں اور تفصیلاً احادیث میں پایا جاتا ہے اور جو لوگ اُسے نہیں مانتے قرآن شریف کی رُو سے اُن کا نام فاسق ہے اور احادیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اس مسیح کو نہیں مانتا وہ گویا مجھے نہیں مانتا اور جو اسکی معصیت کرتا ہے گویا میری معصیت کرتا ہے :۔

لوگ مخلوق کو دھوکا دیتے ہیں اور غلطیوں میں ڈالتے ہیں کہ ہم نے کوئی نیا کلمہ یا نئی نماز تجویز کی ہے ایسے افتراؤں کا مَیں کیا جواب دوں اِسی قسم کے افتراؤں سے وہ ایک عاجز انسان مسیحؑ کو خدا بنا بیٹھے ہیں دیکھو ہم مسلمان ہیں اور اُمت محمدی ہیں اور ہمارے نزدیک نئی نماز بنانی یا قبلہ سے روگردانی کفر ہے کُل احکام پیغمبری کو ہم مانتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے حُکم کو ٹالنا بھی بدذاتی ہے اور ہمارا دعویٰ قال اللہ اور قال الرسول کے ماتحت ہے اتباع نبوی سے الگ ہوکر ہم نے کوئی کلمہ یا نماز یا حج یا ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد نہیں بنائی۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اس دین کی خدمت کریں اور اسکو کُل مذاہب پر غالب کرکے دکھاویں قرآن شریف کی اور احادیث کی جو پیغمبر خداؐ سے ثابت ہیں اتباع کریں ضعیف سے ضعیف حدیث بھی بشرطیکہ وہ قرآن شریف کے مخالف نہ ہو ہم واجب العمل سمجھتے ہیں اور بخاری اور مُسلم کو بعد کتاب اللہ اصح الکتب مانتے ہیں۔ اور دوسری یہ بات یاد رکھو کہ مجھے کبھی بھی یہ خواہش نہیں ہوئی کہ لوگ مجھے مانیں بلکہ مجھے تو ان جماعتوں سے ہمیشہ سے نفرت ہے اور اگر مَیں ملتا ہوں یا ان لوگوں میں آکر بیٹھتا ہوں تو اپنی مرضی سے ہرگز نہیں ملتا بلکہ اللہ تعالیٰ مجھے مجبور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تُو ایسا کر ایسی حالت میں بتلاؤ اگر مَیں اسکی بات نہ مانوں تو کیا کروں مَیں تو رات دن وحی کے نیچے کام کرتا ہوں مَیں تو یہ کہتا ہوں کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پختہ طور سے مانو۔

آپ کو ماننا یہ ہے کہ آپ کے وصایا پر عملدرآمد کیا جاوے اور انہی میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب وہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آوے تو تم سب اسکے ساتھ ہو جانا۔ میرے ماننے کی مثال یہ ہے جیسے ایک آقا اپنے نوکر کو کہے کہ فلاں شخص میرا میزبان ہے تم اسے لا کر کھانا کھلاؤ اور ہر طرح کی تعظیم اور تکریم کرو لیکن نوکر اسکے جواب میں یہ کہے کہ میں تو صرف آپکو مانتا ہوں مجھے کسی دوسرے کی تعظیم و تکریم سے غرض نہیں ہے اور نہ اس کی خواہش ہے تو اب سوچکر دیکھو کہ کیا اس نے اپنے آقا کو مانا؟ ہرگز نہیں مانا کیونکہ جس بات میں وہ راضی ہوتا ہے اسکے کرنے سے تو اسے انکار ہے پس یاد رکھو کہ تم لوگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کو حقیقی طور پر اُسی وقت مانو گے جبکہ آپکے احکام و وصایا کو مانوگے جس نے آخری حکم کو توڑا اُس نے ساری حکموں کو توڑا۔ سوچو تو سہی کہ اگر ایک شخص تمام عمر نماز روزہ ادا کرے لیکن آخری وقت بجائے لا الٰہ الا اللہ کے رام رام کہے تو کیا وہ نماز روزہ اسکے کام آویگا؟ ٭

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمادیا کہ اس اُمت کی دو دیواریں ہیں ایک میں اور ایک مسیح موعود اور اسکے درمیان آپ نے فیج اعوج فرمایا ہے جنکی نسبت ارشاد ہے کہ نہ وہ مجھ سے ہیں اور نہ میں ان سے ہوں پس جبکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم اسے ایک ٹیڑھا گروہ قرار دیتے ہیں تو ہم انکی باتوں کو کیوں قبول کریں ٭

فرمایا کہ شکوک کے رفع کے لئے اگر کوئی راستی اور سچی نیت سے آوے تو ہم اُسے سمجھا سکتے ہیں اور اب تو زمانہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ایک معلم کی طرح سمجھا رہا ہے۔ یہ اُس کی عادت میں داخل ہے کہ جب دنیا میں گناہ اور بے ایمانی بڑھ جاوے اور ردی اخلاق اور ردی عادات ترقی پکڑ جاویں تو ایک شخص کو اصلاح کیلئے مامور کرے۔ اسلام اس وقت دو آفتوں کے ماتحت ہے ایک اندرونی دوسری بیرونی۔ اندرونی خود عالموں کا اختلاف ہے اور مسلمانوں کا دنیا کی طرف میلان۔ اور بیرونی وہ آفت جو عیسائیت کی وجہ سے ہے پس کیا ابھی تمہارے نزدیک مہدی اور مسیح کی ضرورت نہ تھی۔ پھر ایک اعتراض یہ پیش کرتے ہو کہ اس اُمت میں تیس دجال آنیوالے ہیں۔ اے بد قسمتوں! کیا تمہارے لئے دجال ہی رہ گئے ہیں کہ ایک کے آنے سے اگر ایمان کے تباہ ہونے میں کوئی کسر رہ جاوے تو پھر دوسرا تیسرا اور چوتھا حتیٰ کہ تیس دجال آویں تاکہ ایمان کا نام و نشان نہ رہے اس طرح تو موسیٰ کی اُمت ہی اچھی رہی کہ جس میں پے در پے چار سو نبی آیا پھر موسیٰ علیہ السلام کے وقت تو عورتوں سے بھی خدا نے کلام کیا۔ کیا اُمت محمدیہ کے مرد بھی اس قابل نہ ہوئے کہ خدا اُن سے ہمکلام ہوتا۔ پھر یہ بتلاؤ کہ یہ اُمت مرحومہ کس طرح ہوئی اس کا نام تو اُمت بدنصیب ہونا چاہیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کو تیرہ سو برس گذر گئے اور جسقدر فیوض اور

برکات تھے وہ سب نماع کے حکم میں آگئے اب اگر انکو خدا تازہ کرکے نہ دکھائے تو صرف قصہ کہانی کے رنگ میں انکو کون مان سکتا ہے جبکہ تازہ طور پر خدا کی مدد نہیں نصرت نہیں تو خدا کی حفاظت کیا ہوئی حالانکہ اس کا وعدہ ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ۱۴/۱ ؛

اپنی جماعت کو خطاب اور مولویوں کے اعتراضوں کے جواب

فرمایا۔ کہ کسوف و خسوف کا علاج بھی کچھ سوچا ہے؟ اس وقت بحث تو نشانوں کی ہے نہ کہ علاج کی۔ ہاں جو کامل طور پر مجھے قبول کرتا ہے وہ ضرور محفوظ رہیگا لیکن مجھے اس کا علم نہیں کہ وہ کون ہیں کسی کے سینہ کو چیر کر نہیں دیکھتا صحابہ کرامؓ کا بھی ایک گروہ طاعون سے شہید ہوا تھا مگر دیکھو کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما طاعون سے ہرگز فوت نہیں ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں میں امتیاز رکھا ہے جیسے کہ فرمایا ہے مِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ۲۲/۱۶ ضروری بات یہ ہے کہ تم لوگ ان باتوں کی طرف متوجہ نہ ہو اور تقویٰ اور طہارت میں ترقی کرو۔ تمہارا معاملہ اور حساب خدا سے الگ ہے اور مخالف لوگوں کا حساب الگ ہے جنہوں نے قسم کھائی ہے کہ کیسی ہی سچی بات کیوں نہ ہو مگر وہ قبول نہ کرینگے اللہ تعالیٰ بھی انکی نسبت یہی فرماتا ہے کہ یہ لوگ قیامت کو ہی قبول کرینگے انکی بناوٹ ہی اسی قسم کی ہے کہ عمدہ شے یا بات جو پیش کیجاوے وہ اسکو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اگر بدبودار بات ہو تو خوش ہوتے ہیں۔ قرآن شریف احادیث اور عقلی دلائل اور نشان پیش کیے مگر یہ لوگ انکی پرواہ نہیں کرتے صرف ایک بات کو نشانہ بناتے ہیں بس جبکہ خدا نے نہ چاہا کہ ایک مذہب ہو تو ہم کیا کر سکتے ہیں مگر جن لوگوں کو خدا نے فہم سلیم عطا کیا ہے انکو چاہیئے کہ وہ شکر کریں کیونکہ فائدہ اٹھانیوالے وہی لوگ ہوتے ہیں جن کو خدا نے خود پاک کیا ؛

ابھی ہماری جماعت کے بہت سے لوگ چھپے ہوئے ہیں ظاہراً وہ ہم سے الگ ہیں لیکن دراصل ہم میں سے ہیں ہمیں خود انکا علم نہیں لیکن امید ہے کہ اپنے اپنے وقت پر وہ آجاویں گے خود ایک شخص نے لاہور میں ملاقات کی اور کہا کہ میں آپکو گالیاں دیا کرتا تھا معاف کرو اب میرے شکوک رفع ہو گئے ہیں اور ہزاروں خطوط اس قسم کے آئے ہیں کہ اول میں ابوجہل تھا اب توبہ کرتا ہوں۔ بعضوں نے بذریعہ خواب کے مانا اور اکثر کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کشف یا خواب میں کہا کہ تم قبول کرو جو لوگ بغض کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ خدا کی تیز دھار کو روک لیویں مگر وہ کسی کے روکنے سے رک نہیں سکتی۔ اگر انسانی کاروبار ہوتا تو آج تک کب کا تباہ ہو جاتا مجھے دعویٰ کیے ہوئے چوبیس برس سے زیادہ عرصہ گذر گیا کیا ایک مفتری کو اس قدر مہلت مل سکتی ہے اگر کسی کو عقل و فہم ہو اور موت کا ڈر ہو تو وہ براہین کے وقت کو دیکھے کہ جو پیشگوئیاں اس میں ہیں وہ

کیسی پوری ہو کر رہیں لیکن بات یہ ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے اور وہ دل کے تالے نہ کھولے تو کس طرح سمجھ میں آوے کوئی بتاوے تو سہی کہ جب سے دنیا ہوئی ہے کسی مفتری نے اس قسم کی پیشگوئی بھی کی ہے خدا سے خوف کرنیوالے کیلئے تو ایک ہی نشان کافی ہو سکتا ہے لیکن ان لوگوں نے اسقدر کثیر نشانوں سے بھی فائدہ نہ اٹھایا۔ غرض مدعا یہ ہے کہ یہ تمام باتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو ہدایت قبول کرتے ہیں نہ کہ منکروں کیلئے۔ جنکے واسطے اللہ کا قانون ہے تم خدا سے پناہ مانگو کہ اُن کیلئے جو قانون ہے اُسمیں تم کو داخل نہ کرے ہمیشہ نیکدل خدا کی رحمت سے فائدہ اٹھاتے ہیں یہ نہ خیال کرو کہ یہ لوگ مذہب میں پکّے ہیں بڑے بُزدل ہوتے ہیں قہر الٰہی کا ذرا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن یاد رکھیں کہ یہ ایسا زمانہ ہے جس کے لئے سب نبیوں کی پیشگوئیاں ہیں اور جیسے مختلف نہریں ملکر ایک دریا بنکر یہ نکلتی ہیں اسی طرح ان پیشگوئیوں کا سیلاب بہ نکلیگا۔ اور آدمؑ موسیٰؑ۔ ابراہیمؑ وغیرہ پیغمبروں نے جو کچھ کہا وہ سب پورا ہو کر رہیگا۔ بعض رحمت کے نشان بھی ہوں گے مگر اُن سے انہیں کو حصہ ملیگا جو عاجز۔ فروتن اور خائف اور تائب ہوں گے اور جو منکر ہیں وہ قہری نشان سے حصہ لیں گے اگرچہ یہ لوگ اس وقت انکار کو نہیں چھوڑتے اور صرف ماں باپ یا جاہل لوگوں سے سُن سُنا کر غلط عقائد پر اڑے ہوئے ہیں لیکن خدا تعالیٰ زبردستی سب کچھ چھڑا دیگا زبردست سے لڑنا نادانی ہے اگر یہ کاروبار انسان کی طرف سے ہوتا تو کبھی کا تباہ ہو جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ ہم پر افترا کرتا تو ہم اُس کی شاہ رگ کاٹ دیتے پھر یہ کیا وجہ ہے کہ اگر میں خدا پر افترا کرتا ہوں اور تھوڑی مدت نہیں بلکہ تیس سال کے قریب ہو چلا ہمیشہ اُسکی طرف سے وحی لوگوں کو سناتا ہوں اور وہ جانتا بھی ہے کہ جھوٹا ہوں لیکن میری تائید کرتا ہے اور ہلاک نہیں کرتا ہے وہ کیسا خدا ہے کہ ایک جھوٹے سے اتفاق کر بیٹھا ہے اور ہزاروں نشان اسکی تائید میں دکھاتا ہے۔ نئی سواری بھی اسکے لئے نکالی کسوف و خسوف بھی اُسکے لئے ماہ رمضان میں کیا۔ طاعون بھی بھیجی۔ گویا خدا نے جہان کو دھوکا دیا اور جو کام دجال کو کرنا تھا وہ خود آپ کیا تا کہ مخلوق تباہ ہو۔ ذرا سوچو کیا خدا کے لئے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ایک کذاب مفتری اور دجال کی وہ اسقدر مدد کرے اور مولوی لوگ جو خود کو اس کا مقرب جانتے ہیں اُن کی دُعا ہرگز قبول نہ ہوئی جو لڑائی یہ لوگ لڑتے ہیں وہ مجھ سے نہیں بلکہ خدا سے ہے میں تو کچھ شئے نہیں ہوں خدا سے لڑائی والا کبھی بابرکت نہیں ہو سکتا میں تو اس بات کو کہتے ہوئے ڈرتا ہوں اور مجھے لرزہ پڑتا ہے کہ افترا ہو اور خدا تعالیٰ چُپ کر کے بیٹھا رہے اگر اُن کے نزدیک یہ افترا ہے تو چاہیئے کہ دُعا کریں کہ خدا اسے نیست کر دے یا دعا کریں کہ حضرت مسیحؑ کو آسمان سے اُتاریں عیسائی محققین نے بھی آخر کار مسیحؑ کے آسمان سے آنے سے تنگ آ کر اور میعاد گذرتی دیکھ کر فیصلہ کر دیا ہے کہ کلیسیاء مسیح کو مسیح مان لو یہی مسیح کا نزول ہے اُنکو بھی

کا نزول کو استعارہ کے رنگ میں ہی لینا پڑا- اور احادیث پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ تمام خلفاء اس اُمت میں سے ہونگے قرآن شریف بھی یہی کہہ رہا ہے اور سب جگہ منکم کا لفظ موجود ہے مگر نہ معلوم کہ ان لوگوں نے مِن بنی اسرائیل کہاں سے بنا لیا کیا یہ خدا کا نشان ہے کہ نہ کوئی واعظ ہے نہ لیکچرار اور ہماری ترقی برابر ہو رہی ہے بھلا انکو اگر طاقت ہے تو رد کردیں اللہ تعالیٰ خود لوگوں کو ادھر رجوع دلا رہا ہے مصر سے بھی بیعت کی درخواست آئی یورپ میں تحریک ہے امریکہ میں بھی تحریک ہے*

میں پھر جماعت کو تاکید کرتا ہوں کہ تم لوگ ان کی مخالفتوں سے غرض نہ رکھو تقویٰ طہارت میں ترقی کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوگا اور ان لوگوں سے وہ خود سمجھ لیوے گا وہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۱۴/۲۲ اور خوب یاد رکھو کہ اگر تقویٰ اختیار نہ کروگے اور اس نیکی سے جو خدا چاہتا ہے کثیر حصہ نہ لوگے تو اللہ تعالیٰ سب سے اوّل تم کو ہی ہلاک کرے گا کیونکہ تم نے ایک سچائی کو مانا ہے اور پھر عملی طور سے اس کے منکر ہوتے ہو اس بات پر ہرگز بھروسہ نہ کرو اور مغرور مت ہو کہ بیعت کر لی جبتک پورا تقویٰ نہ اختیار کروگے ہرگز نہ بچوگے خدا کا کسی سے رشتہ نہیں نہ اسکو کسی کی رعایت منظور ہے جو ہمارے مخالف ہیں وہ بھی اُسی کی پیدائش ہیں اور تم بھی اسی کی مخلوق ہو۔ صرف اعتقادی بات ہرگز کام نہ آویگی جب تک تمہارا قول اور فعل ایک نہ ہو ان لوگوں کی حالتوں پر غور کرو کہ جب توفّی کا لفظ مسیح کے لئے آوے تو اس کے معنی آسمان پر جانے کے کرتے ہیں اور جب وہ لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے لئے استعمال ہو تو اسکے معنی وفات پانے کے کرتے ہیں پس خدا چاہتا ہے کہ عملی راستی دکھاؤ تا کہ وہ تمہارے ساتھ ہو۔ رحم- اخلاق- احسان اعمالِ حسنہ- ہمدردی اور فروتنی میں اگر کمی رکھوگے تو مجھے معلوم ہے اور بار بار میں بتلا چکا ہوں کہ سب سے اوّل ایسی ہی جماعت ہلاک ہوگی- موسیٰ علیہ السلام کے وقت جب اسکی اُمت نے خدا کے حکموں کی قدر نہ کی تو باوجودیکہ موسیٰؑ اُن میں موجود تھا مگر پھر بھی بجلی سے ہلاک کئے گئے- پس اگر تم بھی ویسے کروگے تو میری موجودگی کچھ کام نہ آویگی*

اب ہم ان لوگوں کو کہاں تک سمجھائیں بہت سی کتابیں چھپ چکی ہیں اور ان کے لئے کافی اتمام حجت ہو چکا ہے حضرت یوسف پر توفّی کا لفظ استعمال کریں تو اس کے معنی موت کے ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے لئے آوے تو اُسکے معنی موت کے ہوں۔ ساحرین موسیٰؑ کے لئے وہی لفظ آوے تو معنی موت کے ہوں لیکن جب مسیح پر بولا جاوے تو اُسکے معنی آسمان پر جانا کرتے ہیں یہ لوگ خدا کو کیا جواب دیوینگے کیا یہی ان کی محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور یہ کیسی دلیری

اور شوخی ہے۔ آنحضرتؐ کا وجود مبارک جس کی دنیا کو ضرورت تھی وہ تو تیرہ سو برس گذرے کہ خاک میں دفن ہیں اور آپؐ تریسٹھ برس کی عمر میں فوت ہو جاویں اور مسیحؑ اب تک آسمان پر۔ کوئی بتلا دے کہ وہاں کیا کر رہا ہے اُس کا وعدہ تھا کہ میں بنی اسرائیل کی طرف آیا ہوں اور کتنی قومیں بنی اسرائیل کی باقی تھیں کہ آسمان پر جا بیٹھا اور وعدہ بھی پورا نہ کیا اور پھر عقل و نقل اور کتاب اللہ کے برخلاف ہے یہ سب دلائل ہیں جو کہ ایک مومن کے لئے کافی ہیں اور بجز اس کے کہ عیسیٰ کو فوت شدہ مانا جاوے اور کوئی ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو محفوظ رکھنے کا نہیں ہے۔ میں تو اُس شخص سے بہت خوش ہوں کہ جس نے کتاب حیات النبی لکھی ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور پیغمبر کو زندہ کہے وہ کافر ہے۔ کیونکہ آخر محبت کی کچھ بھی تو علامت چاہیئے۔ بعض نئے نئے لوگوں نے جو عیسائیوں میں سے اسلام میں داخل ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات کہی ہوگی کہ عیسیٰؑ اب تک زندہ ہے تب ہی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ہرگز یہ باور نہ کیا کہ آپؐ فوت ہو گئے بلکہ ایسا کہنے والے کو قتل کرنے کے لئے آمادہ ہوئے آخر جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آکر اس مسئلہ کو حل کیا کہ سب نبی فوت ہو گئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہوئے تب اُنکو یقین آیا ❊

اب عیسائیت کا اثر غالب آ گیا ہے اور جو محبت مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چاہیئے تھی وہ نہیں رہی۔ ہزاروں رسالے اور اخبار نکلتے ہیں لیکن کسی نے آجتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا رسالہ نہ نکالا۔ پس اب خدا چاہتا ہے کہ آپ کی عزت کو دنیا میں قائم کرے کئی کروڑ کتب اسلام کے ردّ میں لکھی گئیں کیا اب بھی خدا کو لازم نہ تھا کہ کوئی ذریعہ قائم کرکے آپکی عزت کو ظاہر کرے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نبی مانتے ہیں اور سب سے اشرف جانتے ہیں اور ہرگز گوارا نہیں کرتے کہ کوئی عمدہ بات کسی اور کی طرف منسوب کی جاوے جب کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی معجزہ طلب کیا کہ آسمان پر چڑھ کر دکھاویں تو آپ نے فرمایا سُبْحَانَ رَبِّیْ اور انکار کر دیا اور دوسری طرف حضرت مسیحؑ کو خدا آسمان پر لیجاوے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم قرآن سے کیا بلکہ کُل کتابوں سے دکھا سکتے ہیں کہ جس قدر اخلاق اور خوبیاں کُل انبیاء میں تھیں وہ سب کی سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع تھیں کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا اسی کی طرف اشارہ ہے۔ پس اگر آسمان پر جانا کوئی فضیلت ہو سکتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کب باہر رہ سکتے تھے آخر یہ لوگ پچھتاوینگے کہ ان باتوں کو ہم نے کیوں نہ مانا یہ لوگ ایک وار تو آنحضرتؐ کی ذات پر کرتے ہیں کہ ایک معجزہ آسمان پر جانے کا لوگوں نے مانگا مگر خدا نے آپ کی پروانہ کی اور عیسیٰؑ کو یہ عزت دی کہ اُسے آسمان پر اُٹھا لیا۔ اور دوسرا حملہ خدا پر کرتے ہیں کہ اس نے اپنی

قوت خلق سے مسیح کو بھی کچھ دیدی جس سے تشابہ الخلق ہو گیا۔ جواب دیتے ہیں کہ خدا نے خود مسیح کو یہ قدرت دی تھی۔ اے نادانو اگر خدائی کو تقسیم ہونا تھا تو کیا اس کے حصہ کے گیر عیسیٰؑ ہی رہ گئے تھے آنحضرتؐ کو کیوں حصہ نہ ملا ؟

دوسری تقریر

(حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بمقام لاہور ۸ راگست ۱۹۰۴ء صبح ۷ بجے کے ڈیڑھ ہزار آدمی سے زیادہ مجمع میں فرمائی)

ایّام برکت و مسرّت اور ایّام توبہ

سب صاحب یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام میں بعض ایسے دن مقرر کئے ہیں کہ وہ دن بڑی خوشی کے دن سمجھے جاتے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ نے عجیب عجیب برکات رکھی ہیں منجملہ ان دنوں کے ایک جمعہ کا دن ہے یہ دن بھی بڑا ہی مبارک ہے۔ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جمعہ ہی کو پیدا کیا اور اسی دن انکی توبہ منظور ہوئی تھی اور بھی بہت سی برکات اور خوبیاں اس دن کی ماثور ہیں ایسا ہی اسلام میں دو عیدیں ہیں ان دونوں دنوں کو بھی بڑی خوشی کے دن مانا گیا ہے اور ان میں بھی عجیب عجیب برکات رکھی ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ یہ بیشک اپنی اپنی جگہ مبارک اور خوشی کے دن ہیں لیکن ایک دن ان سب سے بھی بڑھ کر مبارک اور خوشی کا دن ہے مگر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ لوگ نہ تو اس دن کا انتظار کرتے ہیں اور نہ اس کی تلاش۔ ورنہ اگر اس کی برکات اور خوبیوں سے لوگوں کو اطلاع ہوتی یا وہ اس کی پروا کرتے تو حقیقت میں وہ دن ان کے لئے بڑا ہی مبارک اور خوش قسمتی کا دن ثابت ہوتا۔ اور لوگ اسے غنیمت سمجھتے ۔

وہ دن کونسا دن ہے ؟ جو جمعہ اور عیدین سے بھی بہتر اور مبارک دن ہے؟ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ دن انسان کی توبہ کا دن ہے جو ان سب سے بہتر ہے اور ہر عید سے بڑھ کر ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس دن وہ بد اعمال نامہ جو انسان کو جہنم کے قریب کرتا جاتا ہے اور اندر ہی اندر غضب الٰہی کے نیچے اسے لا رہا تھا دھویا جاتا ہے اور اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ حقیقت میں اس سے بڑھ کر انسان کے لئے اور کونسا خوشی اور عید کا دن ہوگا جو اسے ابدی جہنم اور ابدی غضب الٰہی سے نجات دیدے توبہ کرنیوالا گنہگار جو پہلے خدا تعالیٰ سے دور کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ ۲/۱۲ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

اور ان لوگوں سے جو پاکیزگی کے خواہاں ہیں پیار کرتا ہے اس آیت سے نہ صرف یہی پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی توبہ کے ساتھ حقیقی پاکیزگی اور طہارت بھی شرط ہے ہر قسم کی نجاست اور گندگی سے الگ ہونا ضروری ہے ورنہ نری توبہ اور لفظ کے تکرار سے تو کچھ فائدہ نہیں ہے۔ پس جو دن ایسا مبارک دن ہو کہ انسان اپنی بدکرتوتوں سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا عہد صلح باندھ لے اور اس کے احکام کے لئے اپنا سر خم کردے تو کیا شک ہے کہ وہ اس عذاب سے جو پوشیدہ طور پر اسکے بدعملوں کی پاداش میں طیار ہو رہا تھا بچایا جاویگا اور اس طرح پر وہ وہ چیز پا لیتا ہے جسکی گویا اسے توقع اور امید ہی نہ تھی :

تم خود قیاس کر سکتے ہو کہ ایک شخص جب کسی چیز کے حاصل کرنے سے بالکل مایوس ہو گیا ہے اور اس ناامیدی اور یاس کی حالت میں وہ اپنے مقصود کو پالے تو اُسے کس قدر خوشی حاصل ہوگی۔ اس کا دل ایک تازہ زندگی پائے گا یہی وجہ ہے کہ احادیث میں اس کا ذکر کیا گیا ہے احادیث اور کتب سابقہ سے یہی پتہ لگتا ہے کہ جب انسان گناہ کی موت سے نکل کر توبہ کے ذریعہ نئی زندگی پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی زندگی سے خوش ہوتا ہے۔ حقیقت میں یہ خوشی کی بات تو ہے ہی کہ انسان گناہوں کے نیچے دبا ہوا اور ہلاکت اور موت ہر طرف سے اُسکے قریب ہو عذاب الٰہی اُسکے کھا جانیکے لئے طیار ہو کہ وہ یکایک ان بدیوں اور بدکاریوں سے جو اس بُعد اور ہجر کا موجب تھیں توبہ کر کے خدا تعالیٰ کی طرف آجاوے وہ وقت خدا کی خوشی کا ہوتا ہے اور آسمان پر ملائکہ بھی خوشی کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی بندہ تباہ اور ہلاک ہو بلکہ وہ چاہتا ہے کہ اگر اس کے بندہ سے کوئی غلطی اور کمزوری بھی ظاہر ہوئی ہے پھر بھی وہ توبہ کر کے امن میں داخل ہو :

پس یاد رکھو کہ وہ دن جب انسان اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے بہت ہی مبارک دن ہے اور سب ایّام سے افضل ہے کیونکہ وہ اس دن نئی زندگی پاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے قریب کیا جاتا ہے اور اسی لحاظ سے یہ دن جس میں تم میں سے بہتوں نے اقرار کیا ہے کہ میں آج اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے گناہوں سے بچتا رہوں گا یوم توبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی وعید کے موافق میں یقین رکھتا ہوں کہ ہر ایک شخص کے جس نے سچے دل سے توبہ کی ہے پچھلے گناہ بخشدیئے گئے اور وہ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ کے نیچے آگیا ہے گویا کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ مگر ہاں میں پھر کہتا ہوں کہ اسکے لئے یہ شرط ہے کہ حقیقی پاکیزگی اور سچی طہارت کی طرف قدم بڑھایا جاوے اور یہ توبہ نری لفظی توبہ ہی نہ ہو بلکہ عمل کے نیچے

آجاوے یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے کہ کسی کے گناہ بخش دیئے جاویں بلکہ ایک عظیم الشان امر ہے ؛ دیکھو انسانوں میں اگر کوئی کسی کا ذرا سا قصور اور خطا کرے تو بعض اوقات اُس کا کینہ پُشتوں تک چلا جاتا ہے وہ شخص نسلاً بعد نسل تلاش حریف میں رہتا ہے کہ موقع ملے تو بدلہ لیا جاوے لیکن اللہ تعالیٰ بہت ہی رحیم کریم ہے انسان کی طرح سخت دل نہیں جو ایک گناہ کے بدلے میں کئی نسلوں تک پیچھا نہیں چھوڑتا اور تباہ کرنا چاہتا ہے مگر وہ رحیم کریم خدا ستر برس کے گناہوں کو ایک کلمہ سے ایک لحظہ میں بخش دیتا ہے یہ مت خیال کرو کہ وہ بخشنا ایسا ہی کہ اس کا فائدہ کچھ نہیں۔ نہیں وہ بخشنا حقیقت میں فائدہ رساں اور نفع بخش ہے اور اسکو وہ لوگ خوب محسوس کر سکتے ہیں جنہوں نے سچے دل سے توبہ کی ہو ؛

بلائیں نازل ہونیکی فلاسفی اور ان کی اقسام

بہت سے لوگ اس امر سے غافل ہیں کہ انسان پر جو بلائیں آجاتی ہیں وہ بیوجہ یونہی آجاتی ہیں یا اُن کے نزول کو انسان کے اعمال سے کوئی تعلق نہیں ہے ایسا خیال بالکل غلط ہے یہ خوب یاد رکھو کہ ہر بلا جو اس زندگی میں آتی ہے یا جو مرنے کے بعد آئیگی جس کا ہمیں یقین ہے اسکی اصل جڑھ گناہ ہی ہے گناہ کی حالت میں انسان اپنے آپ کو ان انوار اور فیوض سے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں پرے ہٹا دیتا ہے اور اس اصل مرکز سے جو حقیقی راحت کا مرکز ہے ہٹ جاتا ہے اس لئے تکلیف کا آنا اس حالت میں اس پر ضروری ہے ؛

یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاءؑ اور راستبازوں پر بھی بعض اوقات بلائیں آجاتی ہیں اور وہ بھی مصائب اور شدائد میں ڈالے جاتے ہیں لیکن یہ گمان کرنا کہ وہ مصائب اور بلائیں کسی گناہ کی وجہ سے آتی ہیں خطرناک غلطی اور گناہ ہے اُن بلاؤں میں جو خدا کے راستبازوں اور پیارے بندوں پر آتی ہیں اور اُن بلاؤں میں جو خدا تعالیٰ کے نافرمانوں اور خطاکاروں پر آتی ہیں زمین و آسمان کا فرق ہے اس لئے کہ ان کے اسباب بھی مختلف ہیں ؛

نبیوں اور راستبازوں پر جو بلائیں آتی ہیں انہیں ان کو ایک صبر جمیل دیا جاتا ہے جس سے وہ بلا اور مصیبت اُن کیلئے مدرک الحلاوت ہو جاتی ہے وہ اس سے لذت اُٹھاتے ہیں اور روحانی ترقیوں کے لئے ایک ذریعہ ہو جاتی ہیں کیونکہ درجات کی ترقی کے لئے ایسی بلاؤں کا آنا ضروری ہے جو ترقیات کے لئے زینہ کا کام دیتی ہیں جو شخص ان بلاؤں میں نہیں پڑتا اور ان

مصیبتوں کو نہیں اٹھاتا وہ کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتا ؂

دنیا کے عام نظام میں بھی تکالیف اور مشقتوں کا ایک سلسلہ ہے جس میں سے ایسے شخص کو جو ترقی کا خواہاں ہے گذرنا پڑتا ہے لیکن ان تکالیف اور شاقہ محنتوں میں باوجود تکالیف کے ایک لذت ہوتی ہے جو اسے کشاں کشاں آگے لئے جاتی ہے برخلاف اسکے وہ مصیبت اور تکالیف جو انسان کی اپنی بدکرداری کی وجہ سے اس پر آتی ہے وہ وہ مصیبت آتی ہے جس میں ایک درد اور سوزش ہوتی ہے جو اس کی زندگی اس کے لئے وبال جان کر دیتی ہے وہ موت کو ترجیح دیتا ہے مگر نہیں جانتا کہ یہ سلسلہ مر کر بھی ختم نہیں ہوگا غرض بلاؤں کے نزول میں ہمیشہ سے قانون قدرت یہی ہے کہ جو بلائیں شامت اعمال کی وجہ سے آتی ہیں وہ الگ ہیں اور جو خدا کے راستبازوں اور پیغمبروں پر جو بلائیں آتی ہیں وہ اُن کی ترقی درجات کے لئے ہوتی ہیں ؂

بعض جاہل جو اس راز کو نہیں سمجھتے وہ جب بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہیں تو بجائے اسکے کہ اس بلا سے فائدہ اُٹھائیں اور کم از کم آیندہ کے لئے مفید سبق حاصل کریں اور اپنے اعمال میں تبدیلی پیدا کریں کہدیتے ہیں کہ اگر ہم پر مصیبت آئی تو کیا ہوا نبیوں اور پیغمبروں پر بھی تو آجاتی ہیں حالانکہ ان بلاؤں کو انبیاءؑ کے مشکلات اور مصائب سے کوئی نسبت ہی نہیں جہالت بھی کیسا بُرا مرض ہے کہ انسان اس میں قیاس مع الفارق کر بیٹھتا ہے یہ بڑا دھوکا واقعہ ہوتا ہے جو انسان تمام انبیاءؑ کی مشکلات کو عام لوگوں کی بلاؤں پر حمل لیتا ہے۔ پس خوب یاد رکھو کہ جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ انبیاءؑ اور دوسرے اخیار و ابرار کی بلائیں محبّت کی راہ سے ہیں خدا تعالیٰ اُنکو ترقی دینا چاہتا ہے اور یہ بلائیں وسائل ترقی میں سے ہیں لیکن جب مفسدوں پر آتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو اس عذاب سے تباہ کرنا چاہتا ہے وہ بلائیں ان کے استیصال اور نیست و نابود کرنے کا ذریعہ ہوجاتی ہیں یہ ایسا فرق ہے کہ دلائل کا محتاج نہیں ہے کیونکہ جب اچھے آدمی جو خدا تعالیٰ کو مقدم کرلیتے ہیں وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ سے محبّت کیوں کرتے ہیں بہشت اور دوزخ ان کے دل میں نہیں ہوتا اور نہ بہشت کی خواہش یا دوزخ کا خوف اُنکو خدا تعالیٰ کی اطاعت کا محرک ہوتا ہے بلکہ وہ طبعی جوش اور طبعی محبت سے خدا تعالیٰ سے محبّت کرتے اور اُس کی اطاعت میں محو ہوتے ہیں ان پر جب کوئی بلا آتی ہے تو وہ خود محسوس کرلیتے ہیں کہ یہ از راہ محبّت ہے وہ دیکھتے ہیں کہ ان بلاؤں کے ذریعہ ایک چشمہ کھولا جاتا ہے جس سے وہ سیراب ہوتے ہیں اور ان کا دل لذت سے بھر جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی محبّت ایک فوارہ کی طرح جوش مارنے لگ جاتی ہے تب وہ چاہتے ہیں کہ یہ بلا زیادہ ہو تا کہ قرب الٰہی

زیادہ ہو اور رضا کے مدارج جلد طے ہوں ؛

غرض الفاظ وفا نہیں کرتے جو اس لذّت کو بیان کر سکیں جو اخیار و ابرار کو ان بلاؤں کے ذریعہ آتی ہے یہ لذّت تمام سفلی لذّتوں سے بڑھی ہوئی ہے اور فوق الفوق لذّت ہوتی ہے یہ مصیبت کیا ہے ایک عظیم الشان دعوت ہے جس میں قسم قسم کے انعام و اکرام اور پھل اور میوے پیش کیے جاتے ہیں خدا اس وقت قریب ہوتا ہے فرشتے ان سے مصافحہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مکالمہ کا شرف عطا کیا جاتا ہے اور وحی اور الہام سے اس کی تسلّی اور سکینت دی جاتی ہے لوگوں کی نظر میں یہ بلاؤں اور مصیبتوں کا وقت ہے مگر دراصل اس وقت اللہ تعالیٰ کے فیضان اور فیوض کی بارش کا وقت ہوتا ہے سفلی اور سطحی خیال کے لوگ اسکو سمجھ نہیں سکتے ہیں میں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ بلاؤں اور غموں کا ہی وقت ہے جو مزہ آتا ہے اور راحت ملتی ہے کیونکہ خدا جو انسان کا اصل مقصود ہے اسوقت اپنے بندہ کے بہت ہی قریب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قرآن جو دیا گیا ہے غم کی حالت میں دیا گیا ہے پس تم بھی اس کو غم کی حالت میں پڑھو ؛

غرض میں کہاں تک بیان کروں کہ ان بلاؤں میں کیا لذّت اور مزہ ہوتا ہے عاشق صادق کہاں تک ان سے محظوظ ہوتا ہے مختصر طور پر یاد رکھو کہ ان بلاؤں کا پھل اور نتیجہ جو ابرار و اخیار پر آتی ہیں جنّت اور ترقی درجات ہیں اور وہ بلائیں اور غم جو مفسدوں اور شریروں پر آتے ہیں انکی وجہ شامت اعمال اور تاریک زندگی ہے اور اس کا نتیجہ جہنّم اور عذاب الٰہی ہے پس جو شخص آگ کے پاس جاتا ہے ضرور ہے کہ وہ اس کی سوزش سے حصّہ لے اور اسے محسوس کرے اور اسے دُکھ پہنچے لیکن جو ایک باغ میں جاتا ہے یقینی امر ہے کہ اس کے پھلوں اور پھولوں کی خوشبو سے اور اس خوبصورت نظارہ کے مشاہدہ سے لذّت پاوے ؛

عذابی بلا کا علاج

اب واضح رہے کہ جس حال میں وہ بلائیں جو شامت اعمال کی وجہ سے آتی ہیں اور جسکا نتیجہ جہنمی زندگی اور عذاب الٰہی ہے ان بلاؤں سے جو ترقی درجات کے طور پر اخیار و ابرار کو آتی ہیں الگ ہیں کیا کوئی ایسی صورت بھی ہے جو انسان اس عذاب سے نجات پاوے اس عذاب اور دُکھ سے رہائی کی بجز اسکے کوئی تجویز اور علاج نہیں ہے کہ انسان سچے دل سے توبہ کرے جبتک سچی توبہ نہیں کرتا یہ بلائیں جو عذاب الٰہی کے رنگ میں آتی ہیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کو نہیں بدلتا جو اس بارہ میں اس نے مقرر فرما دیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا

مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۱۳/۸ یعنی جبتک کوئی قوم اپنی حالت میں تبدیلی پیدا نہیں کرتی اللہ تعالیٰ بھی اسکی حالت نہیں بدلتا۔ خدا تعالیٰ ایک تبدیلی چاہتا ہے اور وہ پاکیزہ تبدیلی ہے جبتک وہ تبدیلی نہ ہو عذاب الٰہی سے رستگاری اور مخلصی نہیں ملتی یہ خدا تعالیٰ کا ایک قانون اور سُنّت ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے ہی یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۲/۱ سُنّت اللہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ آسمان میں اسکے لئے تبدیلی ہو یعنی وہ ان عذابوں اور دُکھوں سے رہائی پاوے جو شامت اعمال نے اسکے لئے طیار کئے ہیں اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرے جب وہ خود تبدیلی کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق جو اس نے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۱۳/۸ میں کیا ہے اسکے عذاب اور دُکھ کو بدلا دیتا ہے اور دُکھ کو سُکھ سے تبدیل کر دیتا ہے۔

جب انسان کے اندر تبدیلی کرتا ہے تو اُسکے لئے ضرور نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو بھی دکھاتا پھرے وہ رحیم کریم خدا جو دلوں کا مالک ہے اُسکی تبدیلی کو دیکھ لیتا ہے کہ یہ پہلا انسان نہیں ہے اس لئے وہ اسپر فضل کرتا ہے۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک شخص نماز روزہ اور دوسرے اذکار اشغال سے ریا کیا کرتا تھا تاکہ لوگ اُسے ولی سمجھیں لیکن اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ تمام لوگ اسی ریاکار سمجھتے تھے یہانتک کہ بچّے بھی جس راستہ سے وہ گذرتا تھا اُسکو ریاکار اور فریبی کہا کرتے تھے ایک مدّت تک اس کی حالت ایسی ہی رہی آخر اس نے سوچا کہ اس طریق سے کوئی فائدہ تو نہیں ہُوا بلکہ حالت بدتر ہی ہوئی ہے اس لئے اسکو چھوڑ دینا چاہیئے پس اس نے چھوڑ دیا اور ملامتی فرقہ کا طریق اختیار کر لیا مسلمانوں میں ملامتی ایک فرقہ ہے جو اپنی نیکیوں کو چھپاتا ہے اور بدیوں کو ظاہر کرتا ہے تاکہ لوگ انہیں بُرا کہیں۔ اسی طرح پر وہ اپنی نیکیوں کو چُھپانے لگا اور اندر اندر اللہ تعالیٰ سے سچّی محبّت کرنے لگا اسکا نتیجہ یہ ہُوا کہ لکھا ہے کہ جس کوچہ سے گذرتا عام لوگ اور بچّے بھی اسے کہتے کہ بڑا نیک ہے ولی ہے بزرگ ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبّت کرنا مُشک اور عطر کی طرح ہے جو کسی طرح پر چھپ نہیں سکتا یہی تاثیریں ہیں سچّی توبہ میں جب انسان سچّے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے پھر اُسے نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے اس کی دُعائیں قبول ہوتی ہیں خدا اس کے دوستوں کا دوست اور اس کے دشمنوں کا دشمن ہو جاتا ہے اور وہ تقدیر جو شامت اعمال سے اُس کے لئے مقرر ہوتی ہے وہ دُور کی جاتی ہے۔

اس امر کے دلائل بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ انسان اپنی اس مختصر زندگی میں بلاؤں سے محفوظ رہنے کا کسقدر محتاج ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ان بلاؤں اور وباؤں سے محفوظ رہے جو شامتِ اعمال کی وجہ سے آتی ہیں اور یہ ساری باتیں سچّی توبہ سے حاصل ہوتی ہیں پس توبہ کے فوائد میں سے ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کا حافظ اور نگران ہو جاتا ہے اور ساری بلاؤں کو خدا تعالیٰ دُور کر دیتا ہے اور اُن منصوبوں سے جو دشمن اسکے لئے طیّار کرتے ہیں ان سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کا یہ فضل اور برکت کسی سے خاص نہیں بلکہ جس قدر بندے ہیں خدا تعالیٰ کے ہی ہیں اس لئے ہر ایک شخص جو اسکی طرف آتا ہے اور اُسکے احکام اور اوامر کی پیروی کرتا ہے وہ بھی ویسا ہی ہوگا جیسے پہلا شخص توبہ کر چکا ہے وہ ہر ایک سچّی توبہ کرنیوالے کو بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس سے محبّت کرتا ہے۔ پس یہ توبہ جو آج اس وقت کی گئی ہے یہ مبارک اور عید کا دن ہے اور یہ عید ایسی عید ہے جو کبھی میسّر نہ آئی ہوگی ایسا نہ ہو کہ تھوڑے سے خیال سے ماتم کا دن بنا دو۔ عید کے دن اگر ماتم ہو تو کیسا غم ہوتا ہے کہ دوسرے خوش ہوں اور اس کے گھر ماتم ہو موت تو سب کو ناگوار معلوم ہوتی ہے لیکن جسکے گھر عید کے دن موت ہو وہ کسقدر ناگوار ہوگی۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان ایک نعمت کی قدر نہیں کرتا وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ دیکھو جن چیزوں کی تم قدر کرتے ہو اُن کو صندوقوں میں بڑی حفاظت سے رکھتے ہو اگر ایسا نہ کرو تو وہ ضائع ہو جاتی ہیں اسی طرح اس مال کا جو ایمان کا مال ہے اُسکا چور شیطان ہے اگر اسکو بچا کر دل کے صندوقوں میں احتیاط سے نہ رکھو گے تو چور آئے گا اور لے جائے گا۔ یہ چور بہت ہی خطرناک ہے دوسرے چور جو اندھیری راتوں میں آکر نقب لگاتے ہیں وہ اکثر پکڑے جاتے ہیں اور سزا پاتے ہیں لیکن یہ چور ایسا ہے کہ مرئی نہیں ہے اور ابھی پکڑا نہ جائے گا یہ اُسوقت آتا ہے جب گناہ کی تاریکی پھیل جاتی ہے کیونکہ چور اور روشنی میں دشمنی ہے۔ جب انسان اپنا مُنہ خدا کی طرف رکھتا ہے اور اسی کی طرف رجوع اور توجہ کرتا ہے تو وہ روشنی میں ہوتا ہے اور شیطان کو کوئی موقع اپنی دست بُرد کا نہیں ملتا۔ پس کوشش کرو کہ تمہارے ہاتھوں میں ہمیشہ روشنی رہے اگر غفلت بڑھ گئی تو یہ چور آئے گا اور سارا اندوختہ لیجائے گا اور برباد ہو جاؤ گے اس لئے اس اندوختہ کو احتیاط اور اپنی راست بازی اور تقویٰ کے ہتھیاروں سے محفوظ رکھو یہ ایسی چیز نہیں ہے اس کے ضائع ہونے سے کچھ حرج نہ ہو بلکہ اگر یہ اندوختہ جاتا رہا تو ہلاکت ہے اور ہمیشہ کی زندگی سے محروم ہو جاؤ گے ؂

عذاب الٰہی اور دعوت تبلیغ

یاد رکھو یہ طاعون کے دن ہی ہیں معلوم نہیں کہ ستمبر کے آخر اور اکتوبر کے شروع میں کیا ہو؟ جہاں تک خدا نے مجھ پر ظاہر کیا ہے میں دیکھتا ہوں کہ بہت خطرناک دن آنیوالے ہیں اس لئے ہر ایک شخص جو چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہے وہ اسی وقت سے طیاری کرے جب تک غضب الٰہی نازل نہیں ہوتا اور اس کے آثار نمودار نہیں ہوتے تو ہر شخص واجب الرحم ہوتا ہے لیکن جب آثار نمودار ہو جاویں پھر عذاب نہیں ٹلتا ٭

بہت سے لوگ بیباک اور جرأت کرنیوالے ہوتے ہیں اور شوخی سے کہدیتے ہیں کہ صدہا وبائیں بلائیں اور ہیضے وغیرہ آتے ہیں ایسا ہی طاعون بھی ہے۔ لیکن یہ انکی بدبختی اور شقاوت ہے جو ایسی جرأت پیدا ہوتی ہے وہ نہیں جانتے کہ یہ بُرے دنوں کی نشانی ہے جب بلائیں دُنیا میں آتی ہیں اور دُنیا کو تباہ کرتی ہیں تو شامت اعمال سے ہی آتی ہیں۔ ہمیشہ سے گناہ ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ ان صورتوں میں ہی عذاب اور بلا آئی ہے اور ان گناہوں کے بدلے میں سزا دیگئی ہے۔ پھر یہ شوخی اچھی نہیں اس کا نتیجہ بہت ہی بُرا ہے یہ وقت تو ایسا ہے کہ خدا سے صلح کرو اور پاک تبدیلی کرو نہ یہ کہ شوخی اور شرارت سے پیش آؤ ٭

یاد رکھو یہ طاعون ایک خطرناک عذاب الٰہی ہے جو اس وقت نازل ہوا ہے اسکو حقیر مت سمجھو اس کا انجام اچھا نہیں ہے خدا تعالیٰ کی کتابوں میں یہ ایک نشان مقرر کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے نشانوں کو جو شخص حقارت سے دیکھتا ہے وہ نقصان اُٹھاتا ہے۔ میں کھول کھول کر بیان کرتا ہوں کہ اس عذاب سے مخلصی کے لئے سچی توبہ اور پاک تبدیلی کی ضرورت ہے بجز اسکے چارہ نہیں۔ پس اسی وقت سے اسکے لئے طیاری کرو۔ شوخیوں اور شرارتوں سے باز آجاؤ۔ میں یہ بات بھی بیان کرنی چاہتا ہوں کہ مسیح موعود کے زمانہ کے بہت سے نشانوں میں سے دو بڑے نشان ہیں جن میں سے ایک آسمان پر ظاہر ہوگا اور دوسرا زمین پر۔ آسمان کا نشان تو یہ تھا کہ اسکے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں مقررہ تاریخوں پر سورج اور چاند کو گرہن ہوگا۔ چنانچہ کئی سال گذرے یہ نشان پورا ہوگیا اور نہ صرف اس ملک میں بلکہ دوسری مرتبہ امریکہ میں بھی پورا ہوا ٭

دوسرا نشان یہی طاعون کا نشان تھا جو زمینی ہے یہ نشان بدن پر لرزہ ڈالنے والا نشان ہے کئی سال سے یہ بلا اس ملک میں نازل ہو رہی ہے مگر میں افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ ابھی تک غفلت اور

بدمستی اسی طرح ترقی پر ہے ٭

طاعون اور اسکی خطرناک شدت کی نسبت پیشگوئی

مَیں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے آخر اس طاعون کی اسقدر شدت ہو جائیگی کہ دنیا میں سے ساٹھ مر جائینگے اور بعض بستیاں بالکل تباہ اور برباد ہو جائینگی جہانتک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے مَیں دیکھتا ہوں کہ ابھی بہت خطرناک دن آنیوالے ہیں اسلئے مَیں ہر ایک کو جو سنتا ہے کہتا ہوں کہ دیکھو اسوقت ہر ایک نفس کو چاہیئے کہ اپنی نفس اپنی بیوی بچوں اور دوستوں پر رحم کرے۔ مَیں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ رجوع کرنیوالوں پر اپنا فضل کر دیتا ہے اور یہ عذاب ٹل جاتا ہے پس چاہیئے کہ ہر شخص کوشش کرے اور سچی توبہ اور پاک تبدیلی کے ساتھ خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگے ٭

ایک اعتراض کا جواب

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ہماری سلسلہ میں سے بھی بعض آدمی طاعون سے مر گئے ہیں ایسے معترضین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ موت تو ہر نفس کیلئے مقرر ہے اور ایک نہ ایک دن سب کو جانا ہے۔ اور طاعون سے صحابہ سے بھی بعض شہید ہو گئے تھے غرض موت سے تو چارہ نہیں امیر و غریب ہندو مسلمان زن و مرد سب مرتے ہیں لیکن کسی موت پر اتنا رحم نہیں آتا جیسا اس موت پر کہ گھر کا گھر تباہ ہو جائے اور قفل لگ جاوے اسلئے اوّل نسبت قائم کرو کہ ایسی موتیں کن لوگوں میں ہوتی ہیں ٭

اسکے سوا یہ بھی یاد رکھو کہ ہماری جماعت میں داخل ہونیوالوں کا صحیح علم کہ وہ ایمان میں کس درجہ تک ہیں اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اب وہ ڈیڑھ لاکھ سے بھی زیادہ جماعت ہے ہمیں علم نہیں کہ کس حد تک کس کا ایمان ہے البتہ قیاسی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بعض کامل الایمان ہیں اور بعض اوسط درجہ کا ایمان رکھتے ہیں اور بعض ابھی ناقص درجہ پر ہیں ٭

ایمان کے تین درجے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ مِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ یعنی تین قسم کے مومن ہوتے ہیں ایک تو ظالم النفسہ ہوتے ہیں ان میں گناہ کی آلائش موجود ہوتی ہے بعض میانہ رو اور بعض سراسر نیک ہوتے ہیں۔ اب ہمیں کیا معلوم ہے کہ کون کس درجہ اور مقام پر ہے۔ ہر ایک شخص کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ الگ معاملہ ہے جیسا کوئی اس سے تعلق رکھتا ہے ویسا ہی وہ اس سے معاملہ کرتا ہے جو لوگ کامل الایمان ہیں میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُسے امتیاز دیگا کیونکہ مومن اور کافر کے درمیان ایک فرقان رکھا جاتا ہے۔ قرآن شریف میں مومن سے وہ مراد نہیں ہے کہ صرف زبان تک

ہی اسکی قیل و قال محدود ہو اور صبح وہ ایمان کا کام کرے تو شام کو کفر کا کرے ایک لقمہ وہ تریاق کا کھاتا ہے اور دوسرا زہر کا بھی کھا لیتا ہے ایسے شخص کو وہ فرقان اور امتیاز جو مومن کے لئے مقرر کیا گیا ہے نہیں دیا جاتا۔ تم خود ہی سوچ لو کہ وہ مریض جو پرہیز نہیں کرتا ہے خواہ اسکو کیسے ہی شفابخش نسخے دیئے جاویں اور وہ کیسے ہی مجرب کیوں نہ ہوں لیکن اگر وہ پرہیز نہیں کرتا تو ہرگز وہ نسخے اسکو فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ پس یہی حال بیعت کا ہے اگر کوئی شخص بیعت تو کرتا ہے لیکن شرائط بیعت کو پورا نہیں کرتا اور اپنے اندر پاک تبدیلی جو بیعت کا اصل مقصد ہے نہیں کرتا وہ اپنے لئے وبال جان ہو جاتا ہے ہاں کامل الایمان اکسیر ہے اسکے ساتھ فرقان رکھا جاتا ہے اگر یہ امتیاز نہ ہوتا تو دنیا تباہ ہو جاتی اور خدا تعالیٰ پر ایمان مشکل ہو جاتا اس قسم کے نشانوں سے ہی خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اب میں پھر اس اعتراض کی طرف توجہ کرتا ہوں جو کہتے ہیں کہ ہماری جماعت میں سے بعض آدمی طاعون سے مر رہے ہیں اس بات کو خوب غور سے یاد رکھو کہ صحابہؓ میں سے جو بعض طاعون سے شہید ہوئے وہ انکے لئے عذاب نہ تھی بلکہ صحابہؓ کا گروہ جو طاعون سے مرا وہ موت اُن کے لئے موجب شہادت ہوئی دوسروں کے لئے وہی طاعون تباہی اور بربادی کا باعث ہوئی۔ یہی فرق ہے اگر کسی مومن کو طاعون ہو جاوے وہ اسکے لئے شہادت ہے اور دوسروں کیلئے تباہی کا موجب۔ باایں ہمہ جیسا میں نے پہلے بیان کیا ہے مومن اور غیر مومن میں ایک امر فارق ہوتا ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مومن کے ساتھ ایسے معاملات ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اسکو ایک بیّن امتیاز عطا کرتا ہے اور اسکو تباہ کرنا نہیں چاہتا۔ اسکی وہی مثال ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بھی مصیبت آتی ہے اور دوسروں پر بھی جو ان کے مخالف ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام بڑھتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں اور دوسرے تباہ اور ذلیل ہوتے ہیں دہریوں کی طرح دھوکا مت کھاؤ وہاں اور رنگ ہے اور یہاں اور رنگ ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی خوب غور سے سنو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں لڑائیاں ہوئی تھیں اور وہ لڑائیاں عذاب کے رنگ میں تھیں کیونکہ کافر برابر بار بار سوال کرتے تھے کہ آپ ہمیں قہری نشان اور معجزہ دکھاؤ کہ ہم پر پتھر برسیں انکے بار بار کے سوالات پر انکو وعدہ دیا گیا کہ میں قہری نشان دکھاؤنگا اور وعدہ دیا گیا کہ وہ نشان تلوار کے ذریعہ ظاہر ہوگا۔ اب صاف ثابت ہے کہ وہ عذاب کافروں کے واسطے تھا مگر اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ان جنگوں میں (جو قہری نشان کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے) صحابہؓ بھی شہید ہوئے اب کیا کوئی یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ صحابہؓ جو شہید ہوئے تھے معاذاللہ وہ تلوار ان کے لئے بھی عذاب تھی؟ ہرگز نہیں بلکہ صحابہؓ کی شہادت تو قوم ...... کی ترقی اور فتوحات کا باعث ہوئی۔ صحابہؓ کی قوم بڑھی اور بالمقابل مخالفوں کا نام و نشان مٹ گیا اور ستیاناس ہو گیا اب کوئی پتہ دے سکتا ہے کہ ابوجہل کی اولاد کہاں ہے؟ اس کی

یہ کافی ہوگئی یہی مثال سمجھنے کے لئے کافی ہے اسی طرح پر اسمیں شک نہیں کہ طاعون عذاب کی صورت میں نازل ہوا ہے اور اگر ہماری جماعت میں سے بعض آدمی طاعون سے فوت ہو گئے ہیں تو اسپر شور مچانا یا اعتراض کرنا دانشمندی نہیں ہے بلکہ غور طلب یہ امر قرار دینا چاہئیے کہ طاعون سے نقصان کس کا ہوا اور فائدہ کس کو پہنچا؟ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ جب طاعون شروع ہوئی ہے اسوقت میری جماعت کی تعداد بہت تھوڑی تھی مگر اسوقت دو لاکھ سے بھی یہ جماعت بڑھی ہوئی ہے اور یہ ترقی طاعون کے سبب سے بھی ہوئی ہے طاعون نے میری جماعت کو بڑھایا ہے اور مخالفوں کو گھٹایا ہے۔

مجھے وعدہ دیا گیا تھا کہ طاعون تیری ترقی کا موجب ہوگی سو اس وعدہ کے موافق یہ جماعت بڑھ رہی ہے اور دو لاکھ تک بڑھی ہو گمر مخالفوں کا تو دوہرا نقصان ہوا ہے کچھ ان میں سے قبروں میں گئے ہیں اور کچھ ہمارے پاس آگئے ہیں اگر ہمارا نقصان اس سے ہوتا تو یہ جماعت جو بہت ہی مختصر اور قلیل تھی بالکل تباہ ہو جاتی اور آج کوئی اس کو جاننے والا بھی نہ ہوتا ان واقعات کو مدّ نظر رکھ کر معترض کو چاہئیے کہ دیکھے کیا یہ اعتراض کوئی شے ہے۔ طاعون کی خبر آج سے نہیں تیئس برس سے براہین احمدیہ میں شائع ہو چکی ہوئی ہے اور اس لئے یہ معمولی نظر سے دیکھنے کے قابل نہیں ہے بلکہ یہ عظیم الشان قہری نشان ہے۔ غرض طاعون نے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا بلکہ فائدہ ہی دیا ہے اس کے ساتھ ہی مَیں یہ بھی ضرور کہتا ہوں کہ ایمان کے طبقات ہیں جیسا کہ مَیں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں اس لئے ان طبقات کے لحاظ سے جو شخص کامل الایمان ہے وہ نافع النّاس وجود ہے جو تبلیغ دین کرنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قدر ہے وہ طاعون سے ضرور بچایا جائیگا بعض آدمی جنکی ایمانی حالت کمزور ہوتی ہے اور وہ اس درجہ پر نہ پہنچے ہوئے ہوں جہاں اللہ تعالیٰ نے کسی کو مومن کہا ہے اور انکی ضرورت بھی کم ہو پھر انہیں سے اگر کوئی فوت ہو جاوے تو اسمیں کیا حرج ہے۔ مَیں یہ خوب جانتا ہوں کہ ایمان کے درجات ہیں اور ہر درجہ پر برکت ملتی ہے لیکن ان میں باہم فرق ضرور ہوتا ہے۔ دیکھو اس وقت آفتاب کی روشنی ہے آنکھیں کھلی ہیں ہر ایک چیز دُور و نزدیک کی صاف اور واضح نظر آتی ہے جب آفتاب کی سلطنت ختم ہو جائیگی تو رات آئیگی اُسوقت عالم ہی اور ہوگا اگرچہ اُسوقت چاند یا ستاروں کی روشنی ہوگی مگر ان روشنیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا ایسا ہی ایمان کے مراتب میں فرق مراتب ہے ایمان بھی ایک روشنی ہے جس جس درجہ پر ایمان پہنچتا ہے اسی مرتبہ کے موافق روشنی اور پھل پاتا ہے جو چاہتا ہے کہ عمر زیادہ ہو اور اس قہری نشان میں ایک امتیاز پیدا کرے اُسکو لازم ہے کہ وہ کامل الایمان ہو اور اپنے وجود کو قابل قدر بنا دے اور اسکی یہ صورت ہے کہ لوگوں کو نفع پہنچاوے اور دین کی خدمت کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ ۱۳ یہ خوب یاد رکھو کہ عمر کھانے پینے

سے لمبی نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی اصل راہ وہی ہے جو میں نے بیان کی ہے بہت سے لوگ ہیں جو صرف کھانے پینے کو ہی زندگی کی غرض و غائیت سمجھتے ہیں حالانکہ زندگی کی یہ غرض نہیں سعدی کہتا ہے شعر:-

خوردن برائے زیستن و ذکر کردنست ✤ تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

جب انسان کا ایک اصول ہو جاوے کہ زیستن از بہر خوردن است اسوقت اسکی نظر خدا تعالیٰ پر نہیں رہتی بلکہ وہ دنیا کے کاروبار اور تجارت ہی میں منہمک ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف توجہ اور رجوع کا خیال بھی نہیں رہتا اسوقت اس کی زندگی قابل قدر وجود نہیں ہوتی ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۱۹ یعنی میرا رب تمھاری کیا پرواہ رکھتا ہے اگر تم اسکی بندگی نہ کرو

کشفی نظارہ اور کچھ اپنی نسبت

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ اس ملک میں ہیضہ کی خطرناک وبا پڑی تھی اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کشف کے ذریعہ سے یہ نظارہ دکھایا تھا میں نے دیکھا کہ ایک بڑا میدان ہے اور اس میں ایک بہت بڑی لمبی نالی ہے جس پر قصابوں نے بھیڑیں لٹائی ہوئی ہیں اور چھریاں انکی گردنوں پر رکھی ہوئی ہیں وہ آسمان کی طرف منہ کرکے دیکھ رہے ہیں گویا آسمانی حکم کا انتظار کرتے ہیں اور میں پاس ہی ٹہل رہا ہوں اتنے میں میں نے یہ آیت پڑھی قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ یہ آیت سنتے ہی انہوں نے چھریاں پھیر دیں اور وہ بھیڑیں تڑپنے لگیں ان کو تڑپتے دیکھ کر وہ قصاب بولے کہ تم کیا ہو گوہ کھانیوالی بھیڑیں ہی ہو۔ غرض اسکے بعد ہیضہ کی وہ خطرناک وبا پڑی کہ الامان۔

پس جو انسان خدا تعالیٰ کی طرف توجہ نہیں کرتا اس کا رتبہ اور قدر اس سے زیادہ نہیں ہوتا ؛

بالآخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میری نسبت جو مخالف لوگ مخالفت کرتے ہیں اور میرا انکار کرتے ہیں اگر وہ دعائیں کرتے اور خدا تعالیٰ سے میری نسبت کشف حقائق چاہتے تو انکی آنکھیں کھل جاتیں مگر افسوس ہے کہ انہوں نے مخالفت میں حد سے زیادہ حصہ لیا اور میرے دعاوی پر نہ غور کی اور نہ میری کتابوں کو پڑھا اور نہ میری باتوں کو تعصب سے خالی ہو کر سنا وہ مجھے دجال اور مفتری تو کہتے ہیں مگر وہ اس امر پر غور نہیں کرتے کہ کیا دجال اور مفتری بھی اس قسم کی کامیابی حاصل کیا کرتے ہیں۔ یاد رکھو کہ اگر یہ انسان کا اپنا سلسلہ ہوتا تو کبھی کا تباہ ہو جاتا کیونکہ اسکے تباہ کرنے میں ہر طرف سے مخالفانہ کوشش ہو رہی ہے اور جب خدا تعالیٰ کے بھی خلاف ہوتا تو وہ بھی اس کا دشمن تھا پھر کیا وجہ ہے کہ یہ بجائے تباہ ہونے کے ترقی کر رہا ہے۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ یہ خدا کی طرف سے ہی انسانی کاروبار نہیں ہے۔ تم جانتے ہو کہ میرا یہ دعویٰ آج نہیں ہوا ہے بلکہ چوبیس سال سے میں دعویٰ کر رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہمکلام ہوتا ہے اور اس نے مجھے مامور کیا ہے ؛

انسانی گورنمنٹ میں اگر کوئی شخص جھوٹا ملازم سرکاری بنے تو وہ فوراً پکڑا جاتا ہے اور سزا پاتا ہے تو یہ کیسا اندھیر ہے کہ خدا تعالیٰ کی گورنمنٹ میں ایک شخص مامور ہونیکا مدعی ہے اور بجائے اسکے کہ وہ پکڑا جاتا اور تباہ کیا جاتا اسے ترقی مل رہی ہے کوئی بتاوے کیا جھوٹوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہوتا ہے۔ براہین احمدیہ چھپی ہوئی موجود ہے اس شہر میں اسکے بہت سے نسخے ہونگے اسکو پڑھو اور دیکھو کہ جو کچھ اس میں درج ہے کیا آج بہت سی باتیں اسمیں سے پوری نہیں ہو چکیں؟ اور کیا کوئی منصوبہ باز کر سکتا ہے کہ اسقدر عرصہ دراز پہلے جبکہ اپنی زندگی کا بھی اعتبار نہیں ہوتا ایک بات کہے اور پھر اتنے عرصہ کے بعد جب میں ایک بچہ پیدا ہو کر بھی صاحب اولاد ہو سکتا ہے وہ پوری ہو جاوے۔ میں جانتا ہوں کہ اسی شہر میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں مجھے جاننے والے کتنے تھے میں سچ کہتا ہوں کہ میں ایک گمنامی کی حالت میں تھا سال بھر میں بھی کبھی ایک خط نہ آتا تھا لیکن اس گمنامی کے زمانہ میں علیم و خبیر خدا نے مجھے خبر دی جو براہین احمدیہ میں موجود ہے کہ ایک زمانہ آنیوالا ہے جبکہ فوج در فوج لوگ تیرے پاس آئینگے میں لوگوں کو کھینچ کھینچکر لاؤں گا اور مالی نصرتیں بھی آئینگی اور دنیا میں تیری شہرت ہو جائیگی جیسے لکھا ہے۔ فحان ان تعان و تعرف بین الناس اور پھر فرمایا یاتون من کل فج عمیق اور یاتیک من کل فج عمیق اور پھر فرمایا لا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس یعنی اب وقت آگیا ہے کہ تو لوگوں میں شناخت کیا جاوے اور تیری مدد کی جاوے تیرے پاس دور دور راہوں سے لوگ آئینگے اور دور دراز جگہوں سے تجھے تحائف اور مالی نصرتیں آئینگی۔ اور پھر فرمایا کہ تیرے پاس کثرت سے مخلوق آئیگی اسلئے تو تحمل سے انکو قبول کرنا اور انکی کثرت سے تھک نہ جانا غرض اس قسم کے بہت سے الہامات ہیں جو نہ صرف عربی زبان میں ہوئے بلکہ فارسی میں ہوئے اردو میں ہوئے اور انگریزی میں بھی ہوئے جسکو میں جانتا بھی نہیں اور ایک لمبا سلسلہ ان الہامات اور پیشگوئیوں کا چلا گیا ہے اور جہاں براہین ختم ہوتی ہے وہاں یہ الہام ہوا۔ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ جب میں ان لوگوں کے منہ سے سنتا ہوں کہ کوئی نشان دکھاؤ ان نشانوں پر وہ غور نہیں کرتے اور انکو حقیر سمجھتے ہیں۔ افسوس! اور اور نشان مانگتے ہیں میں یقین کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ قادر ہے وہ نشان پر نشان دکھا رہا ہے لیکن یہ دانشمندی اور تقوے کا طریق نہیں ہے کہ پہلے نشانوں کو چھوڑ دیا جاوے۔ ان نشانوں کو سرسری نظر سے نہ دیکھو۔ مولوی محمد حسین صاحب وہ شخص ہیں کہ ان سے بڑھ کر کسی نے عداوت کا نمبر نہیں لیا انہوں نے بنارس تک پھر کر کفر کا فتویٰ حاصل کیا اور ہر قسم کی مخالفت میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور کوئی کسر نہیں چھوڑی اب

باوجود اس مخالفت کے اسکو قسم دیکر پوچھو کہ جب تم نے براہین احمدیہ پر ریویو لکھا اور یہ پیشگوئیاں اور نشان اسمیں موجود تھے اُسوقت ہمارا کیا حال تھا کہاں تک میری شہرت تھی اور کس قدر لوگوں کو مجھ سے تعلق تھا اور کیا اب ان الہامات کے موافق یہ نشانات جو پوری ہوئے ہیں اب بنائے گئے ہیں؟ اُسوقت موجود تھے یا نہیں؟ اور انہوں نے پڑھے تھے یا نہیں؟ اگر پڑھے تھے تو پھر سچ سچ کہو کہ ایسے زمانہ میں جب یہ دعا سکھاتا ہے کہ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّ أَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ۔ ۱۶ اور اسمیں آپ ہی گواہی دیتا ہے کہ مَیں اکیلا ہوں وہ الہامات جو جماعت کی ترقی اور میری قبولیت کے متعلق ہیں عظیم الشان نشان ہیں یا نہیں؟ اگر تعصب اور سخت دلی مانع نہ ہو تو اقرار کرنا پڑے گا ؛

پھر اسی براہین میں یہ بھی موجود ہے کہ علماء مخالفت کرینگے اور حارج ہونگے کہ ترقی نہ ہو لیکن مَیں ترقی دونگا - اور پھر سب لوگ جانتے ہیں اور ہر روز دیکھتے ہیں کہ کسقدر مخالفت ہو رہی ہے اور کیا اس مخالفت سے یہ مبارک سلسلہ رُک گیا یا اس نے ترقی کی؟ اگر کوئی ایسی نظیر دنیا میں موجود ہے اور کوئی شخص ایسی کتاب پیش کرسکتا ہے جسمیں ایک عرصہ پہلے ایسی پیشگوئیاں درج ہوں اور وہ پوری ہوئی ہوں۔ یقیناً یاد رکھو کہ کسی مفتری یا کذّاب سے ایسا سلوک نہیں کیا جاتا اور اسقدر مہلت اور فرصت اسے نہیں دیجاتی اگر کوئی ایسا مفتری یا کذّاب پیش کیا جاوے تو ہم قبول کرلینگے۔ پھر ایسی مخالفت کے متعلق یہ خبر بھی دی گئی تھی کہ ہر مخالفت کرنیوالا اپنے منصوبوں اور تجویزوں میں ناکام اور نامراد رہیگا خواہ وہ مولوی ہو یا فقیر اور امیر ہو کوئی ہو اور اب تک واقعات نے اس امر کو سچا ثابت کر دکھایا ہے ؛

اِنِّي مُتَوَفِّيكَ والی آیت کی ترتیب درست ہے

اور مَیں کُھلے دل سے بیان کرتا ہوں کہ مَیں خدا تعالیٰ کی ان پیشگوئیوں اور ان مکالمات پر جو میرے ساتھ ہوتے ہیں ایسا ہی یقین رکھتا ہوں جیسا کہ خدا کی دوسری کتابوں پر ایمان لاتا ہوں اُس نے یہ بھی مجھے فرمایا ہے کہ مَیں تجھے بہت برکت دونگا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے وہ زمانہ خواہ کبھی آنیوالا ہو لیکن مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اسی طرح ہوگا۔ اُس زمانہ کے لوگ دیکھیں گے یا اُنکے بیٹے پوتے غرض یہ ہوگا ضرور۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ یک نقطہ یا شوشہ نہ ٹلیگا۔ غرض یہ نشانات ہیں جنپر غور کرنا چاہیئے اور ٹھنڈے دل سے سوچو کہ مفتری کو یہ تائیدیں نہیں ملا کرتیں۔ پھر بعض لوگ یہ بھی کہدیتے ہیں کہ ہم نشانات کو کیا کریں قرآن شریف کے خلاف مسائل پیش کیئے جاتے ہیں مجھے ایسا کہنے والوں پر بھی افسوس آتا ہے کہ اگر ان کا قرآن شریف پر ایمان ہوتا تو ہرگز ایسی بات نہ کہتے کیونکہ ہم نے بارہا ظاہر کیا ہے اور کتابوں میں شائع کیا ہے کہ ہم قرآن شریف پر ایمان لاتے ہیں اگر کوئی شخص ایک آیت کا بھی انکار کرے وہ گمراہ اور جہنمی ہے جو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے وہ کافر ہے مگر کیا کروں یہ لوگ بنی اسرائیل کی طرح جنہوں نے آنحضرت کا انکار کیا نہیں مانتے اور انکار کرتے ہیں۔ مجھ میں اور ان میں یہی اختلاف ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آیۃ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ اِلَیَّ الآیۃ کی ترتیب جو قرآن شریف میں ہے صحیح نہیں ہے مگر میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے کلام کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنا یا گمان کرنا خطرناک بے ادبی اور شوخی ہے

میں کہتا ہوں کہ اس آیت کی ترتیب صحیح ہے اور اسی لئے اسکے یہ معنی ہیں کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف تیرا رفع کرنیوالا ہوں مگر یہ لوگ اس ترتیب کو غلط (معاذ اللہ) ٹھیراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رَافِعُكَ اِلَیَّ کی جگہ رافعك الی السماء الثانیۃ چاہیئے اور اسکے بعد متوفیك چاہیئے گویا انکے اعتقاد کے موافق خدا تعالیٰ کو غلطی لگی اسے کہنا تو یہ تھا کہ یا عیسیٰ انّی رافعك الی السماء الثانیۃ ومتوفّیك اور کہدیا یہ جو آیت میں موجود ہے اب میں قرآن کو چھوڑتا ہوں اور اسکے خلاف کہتا ہوں یا یہ خود کہتے اور کرتے ہیں؟

انصاف سے بولو اگر یہ تحریف نہیں تو کیا ہے؟ اسی پر مجھے کہا جاتا ہے کہ یہ قرآن کے خلاف ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ قرآن کی تحریف ہے جس سے یہودیوں پر لعنت پڑی اور وہ سوٴر اور بندر بنے۔ یہودی جو تحریف کرتے تھے ان کے متعلق بھی یہی فرمایا ہے یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ اور جب تم بھی اسی قسم کی تحریف کرتے ہو تو قرآن شریف پر تمہارا اچھا ایمان ہے

میں زور سے کہتا ہوں کہ کیا وہ دل خدا ترس ہے اور اس میں تقوےٰ کا حصہ ہے جو خدا تعالیٰ کے کلام میں تصرف کرنا چاہتا ہے اگر تم سچے ہو اور تحریف نہیں کرتے تو پھر وہ حدیث صحیح پیش کرو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ رافعك الیّ کے بجائے رافعك الی السماء الثانیۃ چاہیئے اور یہ متوفّی سے پہلے ہے قرآن شریف میں جو لکھا ہے وہ غلط ہے اور تم سن رکھو کہ ہرگز ہرگز کوئی شخص ایسی حدیث صحیح پیش کرنے پر قادر نہ ہوگا۔ جسقدر صاحب یہاں موجود ہیں آخر ہوش و حواس رکھتے ہیں وہ انصاف سے کہیں کہ اگر کوئی شخص تمسک کو الٹ پلٹ کرتا ہو تو وہ جعلسازی کا مرتکب ہوتا ہے یا نہیں اور وہ اس جعلسازی کی سزا میں جیل میں بھیجا جاتا ہے پھر یہ اندھیر کیوں روا رکھا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کو الٹ پلٹ کیا جاوے۔ خدا سے ڈرو یہ بہت خطرناک دلیری ہے۔ ہاں اگر صحیحین میں کوئی حدیث صریح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطرح پر فرمایا ہے تو پیش کرو ہم مان لینگے لیکن اگر تم پیش نہ کرو اور ہرگز پیش نہیں کر سکوگے۔ تو یہ تقویٰ کے خلاف ہے کہ خود کہدو اور دوسری غلطیوں کو قرآن شریف کی شرح بنالو ہم بار بار تم سے پوچھیں گے کہ بخاری یا مسلم میں دکھاؤ کہ اس میں لکھا ہے کہ رافعك الی السماء الثانیۃ پڑھا کرو

دیکھو ان باتوں پر غور کرو میرا یہ مدعا نہیں کہ ہر ایک شخص محض اس وجہ سے کہ وہ میرے ساتھ عداوت رکھتا ہے اور تعصب نے اس کے جوش کو بڑھا دیا ہے۔ بے اختیار بول اُٹھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں محض خدا تعالیٰ کے لئے کہتا ہوں انسان کی جھوٹی منطق کبھی ختم نہیں ہوتی ہے اس لئے میں مقابلہ کرنے کے لئے آیا ہوں۔ لیکن میں اپنے دل میں مخلوق کی ہمدردی اور بھلائی کے لئے ایک جوش رکھتا ہوں جو خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا ہے اس لئے سچے دل سے کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ نے اپنے پاک کلمات سے مجھے خبر دی ہے۔ مت سمجھو کہ میں بیہودہ طور پر کہتا ہوں۔ بلکہ سچ سچ یہی بات ہے پس جلد بازی نہ کرو کہ جلدی صحیح نتیجہ پر پہنچنے سے روک دیتی ہے میں جانتا ہوں کہ بہت سے لوگ اپنے سینہ اور دل کو تھام نہیں سکتے اور یہ مرض کثرت سے پھیل گیا ہے۔ کہ مخالفت کی وجہ سے حق بات پر بھی غور نہیں کرتے اور یونہی کوئی بات سنی تو منہ پر جھاگ آجاتی ہے اور پھر جو زبان پر آتا ہے کہہ دیتے ہیں مگر یاد رکھو یہ امر تقویٰ کے خلاف ہے متقی کی زبان ڈرتی ہے کہ بغیر سوچے سمجھے کوئی بات منہ سے نکالے ؞

میرا معاملہ اگر سمجھ میں نہیں آتا تو طریق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو تاکہ وہ خود تم پر اصل حقیقت کھولدے۔ خدا تعالیٰ کے کلام کی بے حرمتی نہ کرو ورنہ طریق نجات بھول جانیکا اندیشہ ہے آج وقت ہے بصیرت سے کام لو۔ قرآن شریف قانون آسمانی اور نجات کا ذریعہ ہے اگر ہم اسمیں تبدیلی کریں تو یہ بہت ہی سخت گناہ ہے تعجب ہوگا کہ ہم یہودیوں اور عیسائیوں پر بھی اعتراض کرتے ہیں اور پھر قرآن شریف کیلئے وہی روا رکھتے ہیں۔ مجھے اور بھی افسوس اور تعجب آتا ہے۔ کہ وہ عیسائی جنکی کتابیں فی الواقع محرف مبدل ہیں وہ تو کوشش کریں تحریف ثابت نہ ہو اور ہم خود تحریف کرنیکی فکر میں ہوں!!!

دیکھو! افترا کرنیوالا خبیث اور موذی ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے کلام میں تحریف کرنا بھی افترا ہے اس سے بچو ؞

وفات مسیح ناصری علیہ السّلام

غرض قرآن شریف کی یہ آیت صاف طور پر مسیح کی وفات کا وعدہ دیتی ہے اور جس قدر وعدے اس آیت میں دافعك الیّ سے شروع ہو کر آخر تک ہیں وہ ہمارے مخالف بھی مانتے ہیں کہ پورے ہوگئے حالانکہ وہ سب بعد وفات ہیں پھر وفات کا انکار کیوں کیا جاتا ہے علاوہ بریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخبر صادق ہیں جو مسلمان کہلا کر بھی آپ پر ایمان نہیں لاتا اور آپ کو مخبر صادق تسلیم نہیں کرتا وہ بڑی بدذاتی کرتا ہے آپ نے تو فرمایا ہے کہ میں نے مسیح کو دوسرے آسمان پر یحییٰ کے پاس دیکھا ہے اب کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ہے یا نہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام

درحقیقت وفات یافتہ نہ تھے بلکہ زندہ تھے تو پھر اس سوال کا کیا جواب ہے زندہ کو وفات یافتہ سے کیا تعلق ہے انکی تو روح بھی ابھی قبض نہیں ہوئی تھی ادنیٰ فہم کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ مردہ کے پاس تو مردہ ہی ہوسکتا ہے پھر یہ کیا ہوا کہ مردہ کے پاس زندہ جا بیٹھا یہ صرف اپنی ہی غلطی ہے ورنہ سچ یہی ہے کہ حضرت مسیح بھی مرکر ہی یحییٰ علیہ السلام کے پاس گئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قول سے یعنی قرآن شریف سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل یعنی رویت سے ثابت کر دیا ہو اس قول اور فعل کو نہیں مانتا اُسے میں کیا کہوں *

ان دو نو گواہوں کے بعد اور کس گواہ کی حاجت ہے اور یہاں تک ہی بات نہیں خود حضرت مسیح کا تو صاف اقرار بھی موجود ہے اور اس آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۹/۱ سے تو اس سارے قضیہ کا فیصلہ ہی ہو جاتا ہے اس آیت سے پہلی آیتوں میں اسبات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح سے قیامت کے دن سوال کریگا کہ کیا تو نے کہا تھا کہ میری ماں کو اور مجھ کو خدا بنالو۔ حضرت عیسیٰ اپنی بریّت میں عرض کرینگے کہ میری کیا مجال تھی جو میں ایسی تعلیم دیتا میں تو جب تک ان میں رہا انکو تیری توحید ہی کی تعلیم دیتا رہا جو تو نے مجھے دی تھی لیکن جب تو نے مجھ کو وفات دیدی۔۔ تو پھر تو ہی نگران تھا اب غور کا مقام ہے کہ اِنّی مُتَوَفِّیکَ میں جو وعدہ تھا وہ اس آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي سے پورا ہوتا ہے ماسوا اس کے یہ آیت حضرت مسیح کی موت اور اُن کی دوبارہ آمد کے متعلق ایک فیصلہ کن آیت ہے اور یہ اس قرآن کی آیت ہے جس کا حرف حرف محفوظ ہے اور جس کی حفاظت کا ذمہ وار خود اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۱۴ افسوس مسلمانوں نے اس کتاب کی قدر نہیں کی!!! اس آیت میں مسیح علیہ السلام نے اپنی بریّت دو صورتوں سے کی ہے اوّل تو یہ کہ میری زندگی میں عیسائی نہیں بگڑے کیونکہ میں انکو توحید کی تعلیم دیتا رہا دوم جب مجھے وفات دیدی مجھے کچھ خبر نہیں۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ حضرت مسیح ابھی تک زندہ ہی ہیں تو صاحبو! پھر انکے اس اقرار کے موافق یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ابھی تک عیسائی بگڑے بھی نہیں اور جو تعلیم وہ پیش کرتے ہیں وہ صحیح ہے حالانکہ یہ واقعات صحیحہ کے خلاف ہے عیسائی ضرور بگڑ چکے ہیں صاحبو! اگر مسلمانوں کے اس خیالی عقیدہ زندہ آسمان پر جانے کو لیکر اور اس آیت کے موافق عیسائی مسلمانوں پر اعتراض کریں کہ ہماری تعلیم تمہارے اقرار کے موافق بگڑی نہیں ہے تو کیا جواب ہوسکتا ہے؟ کیونکہ یہ امر تو حضرت مسیح کی زندگی سے وابستہ ہے اور زندگی تسلیم ہے تو پھر دوسرے امر یعنی تعلیم کے انکار کے لئے کیا عذر ہے!!!

میں سچ کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی خیر اسی میں ہے کہ وہ قرآن شریف پر ایمان لاویں اور وہ یہی ہے کہ مسیحؑ کی وفات پر ایمان لاویں۔ دوسری بات جو اس آیت میں فیصلہ کیگئی ہے وہ انکی دوبارہ آمد کا مسئلہ ہے مسلمانوں میں غلطی سے یہ عقیدہ مشہور ہو گیا ہے جسکی کوئی اصل نہیں کہ وہی مسیح ابن مریم دوبارہ آسمان سے نازل ہونگے اور چالیس برس تک اس دنیا میں رہینگے صلیبوں کو توڑینگے اور کافروں سے جنگ کرینگے وغیرہ وغیرہ ۔

اب غور کا مقام ہے کہ ایک نبی صادق کی نسبت یہ عقیدہ رکھنا کہ اس نے جھوٹ بولا یہ تو بے ایمانی ہے ایک شخص اگر عدالت کے سامنے جھوٹ بولے تو وہ حلف دروغی کی سزا پاتا ہے پھر علیم و خبیر عالم الغیب خدا کے حضور قیامت کے دن کسی نبی کو جھوٹ بولنے کی جرأت کب ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں ۔ لیکن یہ عقیدہ جو میں نے ابھی بیان کیا ہے اگر تسلیم کر لیا جاوے اور اسکو مانا جاوے تو پھر قرآن شریف چھوڑنا پڑیگا اور حضرت مسیحؑ کو معاذ اللہ خدا تعالیٰ کے حضور قیامت کے دن جھوٹ بولنے والا قرار دینا پڑیگا کیونکہ اگر مسیح ہی کہ وہی مسیح اتر آئیگا تو پھر خدا تعالےٰ کے سامنے انکا یہ جواب کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ صحیح نہیں کیونکہ انکو تو اسوقت یہ کہنا چاہیئے تھا کہ چالیس سال تک آسمان سے اتر کر میں پھر زمین پر رہا اور میں نے جنگیں کیں صلیبیں توڑیں اور شریروں کو مارا کفار کو مسلمان کیا حالانکہ انکے جواب میں ان باتوں میں سے کسی کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔ پھر خدا کے واسطے سوچکر جواب دو کیا تم یہ تجویز نہ کروگے کہ حضرت مسیحؑ معاذ اللہ جھوٹ بولا اور کیا یہ نبی کی شان ہے کہ خدا کے سامنے جھوٹ بولے جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے اور قرآن پر حملہ کرتا ہے وہ بدذات اور جہنمی ہے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعون ہیں جو ایسی باتیں کہکر قرآن شریف پر حملہ کرتے ہیں پس یہ آیت مسیحؑ کی وفات اور انکی دوبارہ آمد کے متعلق قول فیصل ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں اور وہ دوبارہ نازل نہیں ہونگے اور قرآن شریف سچا اور حضرت مسیحؑ کا جواب بھی سچا ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ آنیوالے مسیحؑ سے پھر کیا مراد ہے تو یاد رکھو جو کچھ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا اور اپنی تائیدوں نصرتوں اور نشانوں کے ساتھ اسے ثابت کیا وہ یہی ہے کہ آنیوالا اسی اُمّت کا ایک فرد کامل ہے اور خدا تعالیٰ نے کھلی کھلی وحی سے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ آنیوالا میں ہوں جو چاہے قبول کرے۔ میرا یہ دعویٰ نرا دعویٰ نہیں ہے بلکہ اسکے ساتھ زبردست ثبوت ہیں جو ایک سلیم الفطرت اور متقی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ جب کسی مامور کو بھیجتا ہے تو تین ذریعوں سے اُسکی سچائی کو ثابت کرتا اور اتمام حجّت کرتا ہے ۔

علامات مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

اوّل نصوص کے ذریعہ یعنی پہلی شہادتوں سے اتمام حجّت کرتا ہے۔ دوم نشانات کے ذریعہ جو اسکی تائید

میں اور اسکے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ سوم عقل کے ذریعہ۔ بعض اوقات یہ تینوں ذریعے جمع ہو جاتے ہیں اور اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ سب ذریعے میری سچائی کو ثابت کر رہے ہیں۔ پس نصوص کیلئے یاد رکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (جیسا کہ بخاری میں اور مسلم میں موجود ہے) جس آنیوالے کی خبر دی ہے اسکے لئے یہی فرمایا کہ من بنی اسرائیل بلکہ آنیوالے مسیح اور مسیح بنی اسرائیلی کا حلیہ بیان کرکے فرق کر دیا ہے اور قرآن شریف میں سورہ نور میں یعنی استخلاف کے وعدہ میں بھی منکم ہی فرمایا ہے۔ اب بتاؤ کہ قرآن اور حدیث کے نصوص آنیوالے مسیح کو اسی امت سے ٹھیراتے ہیں یا باہر سے لاتے ہیں اور قرآن شریف بھی یہی زمانہ مسیح موعودؑ کے آنیکا ٹھیراتا ہے۔ دوم نشانات وہ نشانات جو میری تائید میں ظاہر ہو چکے ہیں اور جو میرے ہاتھ پر پورے ہوئے ہیں انکی تعداد بہت زیادہ ہے اور انکے زندہ گواہ اسوقت لاکھوں انسان موجود ہیں میں نے اپنی کتاب نزول المسیح میں ڈیڑھ سو کے قریب نشان لکھے ہیں اور بعض کا ذکر ابھی کر بھی گیا ہے تاہم وہ نشان جو میرے لئے ظاہر ہوئے وہ بھی تھوڑے نہیں ہیں اور انسانی طاقت میں یہ نہیں کہ وہ ان باتوں کو اپنے لئے خود جمع کر لے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ مسیح موعودؑ اسوقت آئیگا جب چھ ہزار سال کا دورہ ختم ہوگا اور عیسائیوں اور یہودیوں کے نزدیک وہ وقت آ گیا ہے۔ قرآن شریف سے یہ بھی ثابت ہے کہ مسیح موعود چودھویں صدی ہجری میں آئیگا جیسا کہ مسیح اسرائیلی چودھویں صدی موسوی میں آیا تھا۔ پھر قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے اور احادیث صحیحہ اسکی تصدیق کرتی ہیں کہ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ایک نئی سواری پیدا ہوگی جس سے اونٹ بیکار ہو جائینگے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۳۰/۶ اور حدیث صحیح میں ہے و لیترکن القلاص فلا یسعی علیہا۔ اب آپ لوگ جانتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان بھی ریل طیار ہو رہی ہے اس عظیم الشان پیشگوئی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک اخبار والے نے لکھا ہے کہ اب تو مکہ مدینہ والے بھی یہ نظارہ دیکھ لینگے کہ اونٹوں کی قطاروں کے بجائے ریل گاڑی وہاں چلیگی قرآن شریف میں جو فرمایا ہے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ اسکے متعلق نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے کہ عشار دس ماہ کی حاملہ اونٹنی کو کہتے ہیں اسلئے یہ لفظ اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا تاکہ یہ سمجھ میں آ جاوے کہ اسی دنیا کے متعلق ہے کیونکہ حاملہ ہونا تو اسی دنیا میں ہوتا ہے۔ اسی طرح نہروں کا نکالا جانا۔ چھاپہ خانوں کی کثرت اور اشاعت کتب کے ذریعوں کا عام ہونا اس قسم کے بہت سے نشان ہیں جو اس زمانہ سے مخصوص تھے اور وہ پورے ہو گئے ہیں ایسا ہی کسوف خسوف کا نشان جو رمضان شریف میں ہوا یہ حدیث اکمال الدین اور دار قطنی میں موجود ہے۔ پھر حج کا بند ہونا بھی نشان تھا وہ بھی پورا ہوا۔ ایک ستارہ نکلنے کی نشانی تھی وہ بھی نکل چکا۔ طاعون کا نشان تھا وہ بھی پورا ہو گیا۔

حالتِ اسلام

غرض میں کہاں تک بیان کرتا جاؤں یہ ایک لمبا سلسلہ ہے طالب حق کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

پھر تیسرا ذریعہ عقل ہے اگر عقل سے کام لیا جاوے اور زمانہ کی حالت پر نظر کیجاوے تو صاف طور پر ضرورت نظر آتی ہے غور سے دیکھو اسلام کیحالت کیسی کمزور ہوگئی ہے اندرونی طور پر تقویٰ طہارت اُٹھ گئے ہیں اوامر و احکام الٰہی کی بے حرمتی کیجاتی ہے اور ارکان اسلام کو ہنسی میں اُڑایا جاتا ہے اور بیرونی طور پر یہ حالت ہے کہ ہر قسم کے معترض اسپر حملہ کر رہے ہیں اور اپنی جگہ کوشش کرتے ہیں کہ اس کا نام و نشان مٹا دیں۔ غرض جس پہلو سے دیکھو اسلام کمزور ہو گیا ہے۔ وہ اسلام جسمیں ایک بھی مرتد ہو جاتا تو قیامت آجاتی تھی اس میں سے تیس لاکھ آدمی مرتد ہو چکا ہے کیا ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ پورا نہ ہوتا۔ اگر اب اسلام کی خبر نہ لیجاتی تو پھر اور کونسا وقت آنیوالا تھا۔ پس از آنکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد۔ کیا خدا تعالیٰ اُسوقت نصرت کریگا جب یہ نام مٹ جائیگا۔ ایک طرف حدیث میں یہ وعدہ کہ ہر صدی پر مجدد آئیگا مگر اسوقت جو عین ضرورت کا وقت ہے اور صدی کے بھی بیس بائیس برس گذر چکے کوئی مجدد نہ آئے؟ تعجب ہے تم کیا کہہ رہے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تو وہ زمانہ کہ اس میں متواتر نبی آتے رہے اور یہ اُمت جو خیر الامم کہلاتی ہے اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت ہے باوجود اُمت مرحومہ کہلانے کے اسمیں جب آئے تو دجال آئے اور پھر ایک دو نہیں تیس دجال گویا خدا کو اس اُمت سے خطرناک دشمنی ہے وہ اسکو ایسا تباہ کرنا چاہتا ہے کہ نام و نشان نہ رہے۔ افسوس! میری مخالفت میں یہ لوگ ایسے اندھے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور شوخی اور بے ادبی کرنے سے باز نہیں آتے اسکو عملی طور پر وعدوں کا خلاف کرنیوالا قرار دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک شان کرتے ہیں!!

شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

دیکھو میں کھول کر کہتا ہوں کہ تم اپنے نفسوں پر رحم کرو۔ اُس پیغمبر کی شان میں جو افضل الرسل ہے یہ بے ادبی نہ کرو کہ حضرت مسیح کو اس سے افضل قرار دو کیا تم نہیں جانتے کہ آپ کی وفات پر صحابہؓ کی کیا کیفیت ہوئی تھی وہ دیوانہ وار پھرتے تھے آپ کی زندگی انکو ایسی عزیز تھی کہ حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی تھی کہ اگر کوئی آپ کو مردہ کہیگا تو میں اُس کا سر اڑا دونگا۔ اس شور پر حضرت ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے آگے بڑھ کر آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا کہ آپ پر خدا تعالیٰ دو موتیں جمع نہ کریگا اور پھر یہ آیت پڑھی مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ یعنی آنحضرتؐ بھی ایک رسول ہیں اور آپ سے پہلے جسقدر رسول آئے ہیں وہ سب کے سب وفات پا گئے ہیں صحابہؓ نے جب اس آیت کو سُنا تو انہیں ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت اب اُتری ہے انہوں نے معلوم کیا کہ آپ کے مقابلہ میں کوئی اور زندہ نہیں ہے۔ تم میں وہ عشق اور محبت نہیں جو صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی ورنہ تم یہ کبھی روا نہ رکھتے کہ مسیحؑ کو آنحضرتؐ کے مقابل زندہ کہتے میں سچ

کہتا ہوں کہ اگر صحابہؓ کے سامنے اُسوقت کوئی کہتا کہ حضرت عیسیٰ زندہ ہیں تو اُنمیں سے ایک بھی زندہ نہ رہتا وہ اس قدر آپکے عشق اور محبت میں فنا شدہ تھے حسان بن ثابتؓ نے اُس موقعہ پر ایک مرثیہ لکھا ہے جسمیں وہ کہتے ہیں:۔

کُنتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ ۔ فَعَمِیَ عَلَیْکَ النَّاظِرُ
مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ ۔ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ

یعنی اے میری پیارے نبیؐ تو تو میری آنکھوں کی پتلی تھی اور میرے دیدوں کا نور تھا پس میں تو تیرے مرنے سے اندھا ہو گیا اب تیرے بعد میں دوسروں کی موت کا کیا غم کروں عیسیٰؑ مرے یا موسیٰؑ مرے کوئی مرے مجھے تو تیری ہی مرنے کا غم تھا۔ صحابہؓ کی تو یہ حالت تھی مگر اس زمانہ میں اپنے مُنہ سے اقرار کرتے ہیں کہ نہیں افضل الانبیاء وفات پا گئے اور حضرت مسیحؑ زندہ ہیں۔ افسوس مسلمانوں کی حالت کیا سے کیا ہو گئی میں خوب جانتا ہوں اور اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کا پہلا اجماع مسیحؑ کی وفات پر ہی ہُوا تھا پھر ان کے خلاف کرنا یہ کونسی عقلمندی اور تقویٰ ہے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ یہ غلطیاں امتدادِ زمانہ کی وجہ سے ہیں۔ تقویٰ نہیں رہا جہالت بڑھ گئی ہی رد بحق ہونا کم ہو گیا ہے راہ راست مجحوب ہو گیا ہے اور یہی امور ہیں جو میری ضرورت کے داعی ہیں۔ میں آخر میں پھر کہتا ہوں کہ ان باتوں پر غور کرو۔ اپنے گھروں میں جا کر تنہائی میں سوچو کہ تم چاہتے ہو کہ اسلام اور سَو سال تک آفتوں کا نشانہ بنا رہے اگر اب تک کوئی نہیں آیا تو پھر صدی کا سر تو چلا گیا بائیس برس گذر چکے اب اور سَو سال تک انتظار کرو لیکن یاد رکھو کہ اگر مجھے قبول نہ کرو گے تو پھر تم کبھی بھی آنیوالے موعودؑ کو نہیں پاؤ گے۔

میں نے اتنی باتیں کی ہیں بعض مخالفوں کو فائدہ کے بجائے جوش آئیگا اور وہ ہار جیت کی طرف توجہ کرینگے یہ نہیں کہ رو رو کر دعائیں کریں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق اور مدد چاہیں۔ میری یہی نصیحت ہے کہ تقویٰ کو ہاتھ سے نہ دو اور خدا ترسی سے ان باتوں پر غور کرو اور تنہائی میں سوچو اور آخر خدا تعالیٰ سے دُعائیں کرو کہ وہ دُعائیں سُنتا ہے۔

تیسری تقریر

حضرت اقدس امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بمقام لاہور ۳ ستمبر ۱۹۰۴ء کو بیان فرمائی

انسان کی پیدائش کی غرض

تمام مسلمان جو یہاں اکٹھے ہوئے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ہر ایک کی غرض دین ہے یہ میں جانتا ہوں کہ کوئی تھوڑا جوش رکھتا ہے کوئی زیادہ لیکن کچھ نہ کچھ غرض دین کی رکھتا ضرور ہے۔

یقیناً سمجھو کہ ہر شخص اپنے اندازہ کے موافق عمر کا ایک حصّہ کھا چکا ہے بڑی عمر ہو گئی ہے تب بھی تھوڑے دن باقی ہیں اور تھوڑی ہے تب بھی تھوڑے ہی باقی ہیں کیونکہ گذرنے والے زمانہ کو ہمیشہ تھوڑا خیال کیا جاتا ہے پس یاد رکھو کہ انسان جو اس مسافرخانہ میں آتا ہے اسکی اصلی غرض کیا ہے؟ اصل غرض انسان کی خلقت کی یہ ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچانے اور اسکی فرمانبرداری کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔ مَیں نے جنّ و انس کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ اکثر لوگ جو دنیا میں آتے ہیں بالغ ہونے کے بعد بجائے اسکے کہ اپنے فرض کو سمجھیں اور اپنی زندگی کی غرض اور غائیت کو مدّنظر رکھیں وہ خدا کو چھوڑ کر دنیا کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور دنیا کا مال اور اسکی عزتوں کے ایسے دلدادہ ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا حصّہ بہت ہی تھوڑا رہ جاتا ہے اور بہت لوگوں کے دل میں تو ہوتا ہی نہیں وہ دنیا ہی میں منہمک اور فنا ہو جاتے ہیں انہیں خبر نہیں ہوتی کہ خدا بھی کوئی ہے۔ ہاں اسوقت پتہ لگتا ہے جب قابض ارواح آکر جان نکال لیتا ہے پس اس دھوکہ سے خبردار رہو ایسا نہ ہو کہ مرنیکا وقت آجاوے اور تم خالی کے خالی ہی رہو یہ شعر اچھا لکھا ہے:۔

مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار ٭ مباش ایمن از بازیٔ روزگار ٭

یکدفعہ ہی پیغام موت آجاتا ہے اور پتہ نہیں لگتا۔ انسانی ہستی بہت ہی ناپائیدار ہے ہزار ہا مرض لگے ہوئے ہیں بعض ایسے ہیں کہ جب دامنگیر ہو جاتے ہیں تو اس جہان سے رخصت کر کے ہی رخصت ہوتے ہیں جبکہ حالت ایسی نازک اور خطرناک ہی تو ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے خالق اور مالک خدا سے صلح کر لے اسلام نے جو خدا پیش کیا ہے اور مسلمانوں نے جس خدا کو مانا ہے وہ رحیم کریم حلیم توّاب اور غفّار ہے جو شخص سچّی توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول کرتا ہے اور اسکے گناہ بخشدیتا ہے لیکن دنیا میں خواہ حقیقی بھائی بھی ہو یا اور قریبی عزیز اور رشتہ دار ہو۔ وہ جب ایک مرتبہ قصور دیکھ لیتا ہے پھر وہ اُس سے خواہ باز بھی آجاوے مگر اُسے عیب ہی سمجھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کیسا کریم ہے کہ انسان ہزاروں عیب کر کے بھی رجوع کرتا ہے تو بخشدیتا ہے۔ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے بجز پیغمبروں کے جو خدائے تعالیٰ کے خلق میں رنگے جاتے ہیں جو چشم پوشی سے اسقدر کام لے بلکہ عام طور پر تو یہ حالت ہے۔ خدا داند و بپوشد و ہمسایہ نداند و بخروشد پس غور کرو کہ اسکے کرم اور رحم کی کیسی عظیم الشان صفت ہے۔ یہ سچ ہے اور بالکل سچ ہے کہ اگر وہ مواخذہ پر آئے تو سب کو تباہ کر دے لیکن اس کا کرم اور رحم بہت ہی وسیع ہے اور اُس کے غضب پر سبقت رکھتا ہے ٭

اسلام اور دوسرے مذاہب

یہ دین یعنی اسلام جو سچّا مذہب ہے اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو ملا ہے اسکی سچائی کی یہ زبردست علامت ہے کہ انسانی ضمیر اور فطرت جس قسم کا خدا چاہتی ہے قرآن کریم نے ویسا ہی خدا پیش کیا ہے یعنی اس قسم کی صفات سے متصف اُسے بیان کیا ہے۔ لیکن چونکہ مقابلہ کے بغیر کسی کی خوبی اور عمدگی کا پتہ نہیں

لگ سکتا اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کسیقدر مقابلہ دوسرے مذاہب سے کیا جاوے اگرچہ ہمارا یہ مذہب ہے اور قرآن شریف سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے کہ کُل عالم کا ایک ہی خدا ہے لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مثلاً ہندوؤں کا خدا تو اس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ وہ خدا جو اپنے خیالات اور عقائد کے موافق ہندوؤں نے پیش کیا ہی یا عیسائی جس قسم کا تسلیم کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ یہ کبھی بھی خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ کسی اور خدا کی مخلوق ہیں۔ غرض جب ہم اس خدا کا مقابلہ ان خداؤں سے جو دوسری لوگوں نے پیش کیئے ہیں کرتے ہیں تو صاف طور پر اقرار کرنا پڑتا ہی کہ وہ خدا جو قرآن شریف نے یا اسلام نے پیش کیا ہے وہی حقیقی خدا ہی اور اسی مسئلہ عفو گناہ کے متعلق جب ہم غور کرتے ہیں۔ تو جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے خواہ انسان کتنے ہی گناہ کرے لیکن جب سچے دل سے توبہ کرلے اور آیندہ کے لئے گناہوں سے باز آجاوے تو اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول کرلیتا ہی اور اُسکے گناہ بخشدیتا ہے لیکن اسکے بالمقابل ہندوؤں نے جس خدا کو پیش کیا ہے وہ اسکے متعلق ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ وہ ایسا خدا ہی جو ایک گناہ کے بدلے کروڑوں جونوں میں ڈالتا ہے اور جُونیں پشو۔ پنچھی۔ درند۔ پرند۔ چرند یہاں تک کہ پانی اور ہوا کے کیڑے یہ سب انسان ہی ہیں جو اپنی سزائیں بھگتنے کے واسطے ان جُونوں میں آئے ہوئے ہیں دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ جسقدر مخلوقات انسان کے سوا نظر آتی ہیں وہ سب انسان کے گناہوں کے طفیل ہی اور خدا تعالیٰ کو معاذ اللہ اب تک انپر کوئی رحم نہیں آتا اور وہ ایسا سخت دل پرمیشر ہے کہ رحم کر ہی نہیں سکتا ۔

جب یہ عقیدہ رکھا جائیگا کہ ہر ایک گناہ کی سزا میں ضرور کئی کروڑ جونوں میں جانا پڑیگا تو گناہ کی معافی اور رحم وکرم پرمیشر میں کہاں پایا گیا؟ حالانکہ فطرت انسانی ایک ایسا خدا چاہتی ہے جو انسانی کمزوریوں پر رحم کرتا ہو اور انسان نادم اور تائب ہونے پر اسکے قصوروں کو معاف کردے کیونکہ خود انسان میں بھی یہ وصف ایک حد تک پایا جاتا ہے۔ پھر تعجب کی بات ہو گی کہ انسان تو توبہ اور معافی پر قصور معاف کردے اور خدا تعالیٰ ایسا کینہ ور (معاذ اللہ) ہو کہ اسے کسی طرح رحم ہی نہ آوے؟ یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے بلکہ صحیح اعتقاد وہی ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے کہ خدا تعالیٰ بڑا ہی کریم اور رحیم ہے اور وہ سچے رجوع اور حقیقی توبہ پر گناہ بخشدیتا ہی اس کے بالمقابل عیسائی جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ اور بھی عجیب ہے وہ خدا تعالیٰ کو رحیم تو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ رحیم ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ رحم بلا مبادلہ نہیں کرسکتا جب تک بیٹے کو پھانسی نہ دیلے اُس کا رحم کچھ بھی نہیں کرسکتا تعجب اور مشکلات بڑھ جاتی ہیں جب اس عقیدہ کے مختلف پہلوؤں پر نظر کی جاتی ہے اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو پھانسی بھی دیا لیکن نسخہ رحم پھر بھی خطا ہی گیا سب سے اول تو یہ کہ یہ نسخہ اُسوقت یاد آیا جب بہت سی مخلوق گناہ کی موت سے تباہ ہو چکی اور اُنپر کوئی رحم نہ ہو سکا کیونکہ پہلے کوئی بیٹا پھانسی پر نہ چڑھا اور علاوہ بریں اگرچہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی

کہ زید کے سر میں سادرد ہو اور بکر اپنا سر پتھر سے پھوڑ لے اور یہ سمجھا جاوے کہ اس نسخہ سے زید کو آرام آجاویگا لیکن اسکو بفرض محال مان کر بھی اس نسخہ کا جو اثر ہوا ہے وہ تو بہت ہی خطرناک ہے جبتک یہ نسخہ استعمال نہیں ہوا تھا اکثر لوگ نیکی سے بچتے اور توبہ و استغفار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنے کی کوشش کرتے تھے مگر جب یہ نسخہ گھڑا گیا کہ ساری دنیا کے گناہ خدا کے بیٹے کے پھانسی پانے کے ساتھ معاف ہوگئے تو اس سے بجائے اسکے کہ گناہ رُکتا گناہ کا ایک اور سیلاب جاری ہوگیا اور وہ بند جو اس سے پہلے خدا کے خوف اور شریعت کا لگا ہوا تھا ٹوٹ گیا جیسا کہ یورپ کے حالات سے پتہ لگتا ہے کہ اس مسئلہ نے وہاں کیا اثر کیا ہے اور فی الحقیقت ہونا بھی یہی چاہیئے تھا پھر جب یہ بات ہے اور حالت ایسی ہے تو ہم کیونکر تسلیم کریں کہ وہ خدا جو اس رنگ میں دنیا کے سامنے کیا جاتا ہے وہ حقیقی خدا ہے۔ اس قسم کی غلط تعلیمیں دنیا میں جاری ہو چکی تھیں اور حقیقی خدا کا چہرہ چھپا ہوا تھا جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا آپنے آکر دنیا کے سامنے وہ خدا پیش کیا جو انسانی کانشنس اور فطرت چاہتی ہے اور اس کا پورا پورا بیان اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب قرآن مجید میں ہے۔

مَیں اس وقت دوسرے لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہیں الگ رکھ کر صرف ان لوگوں کے متعلق کچھ کہونگا جو مسلمان ہیں اور انہیں سے خطاب کرونگا۔

گناہ کی معافی۔ اور مسلمانوں کو کلام الٰہی کی طرف رغبت دلانا

یاد رکھو۔ قرآن شریف حقیقی برکات کا سرچشمہ اور نجات کا سچا ذریعہ ہے ان لوگوں کی اپنی غلطی ہے جو قرآن شریف پر عمل نہیں کرتے ہیں عمل نہ کرنیوالوں میں سے ایک گروہ تو وہ ہے جس کو اس پر اعتقاد ہی نہیں اور وہ اسکو اللہ تعالیٰ کا کلام ہی نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ تو بہت دُور پڑے ہوئے ہیں لیکن وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں کہ وہ خدا کا کلام ہے اور نجات کا شفابخش نسخہ ہے اگر وہ اس پر عمل نہ کریں تو کسقدر تعجب اور افسوس کی بات ہے ان میں سے بہتسے تو ایسے ہیں جنہوں نے ساری عمر میں کبھی اسے پڑھا ہی نہیں پس ایسے آدمی جو اللہ تعالیٰ کی کلام سے ایسے غافل اور لاپروا ہیں اُن کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کو معلوم ہے کہ فلاں چشمہ نہایت ہی مصفّا اور شیریں اور خنک ہے اور اس کا پانی بہتسے امراض کے واسطے اکسیر اور شفا ہے۔ یہ علم اسکو یقینی ہے لیکن باوجود اس علم کے اور باوجود پیاسا ہونے اور بہتسے امراض میں مبتلا ہونے کے وہ اسکے پاس نہیں جاتا تو یہ اُسکی کیسی بدقسمتی اور جہالت ہے اسے چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ اس چشمہ پر مُنہ رکھدیتا اور سیراب ہو کر اس کے لُطف اور

شفا بخش پانی سے حظ اٹھاتا مگر وہ باوجود علم کے اس سے ویسا ہی دور ہے جیسا کہ ایک بے خبر۔ اور اس وقت تک اس سے دور رہتا ہے جو موت آکر خاتمہ کر دیتی ہے اس شخص کی حالت بہت ہی عبرت بخش اور نصیحت خیز ہے مسلمانوں کی حالت اسوقت ایسی ہی ہو رہی ہے وہ جانتے ہیں کہ ساری ترقیوں اور کامیابیوں کی کلید یہی قرآن شریف ہے جس پر ہم کو عمل کرنا چاہیئے مگر نہیں اس کی پروا بھی نہیں کی جاتی ایک شخص جو نہایت ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ اور پھر نری ہمدردی ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ایماء سے اس طرف بلاوے تو اسے کذّاب اور دجّال کہا جاتا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا قابل رحم حالت اس قوم کی ہوگی۔!!!

مسلمانوں کو چاہیئے تھا اور اب بھی ان کیلئے یہی ضروری ہے کہ وہ اس چشمہ کو عظیم الشان نعمت سمجھیں اور اس کی قدر کریں۔ اسکی قدر یہی ہے کہ اس پر عمل کریں اور پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح انکی مصیبتوں اور مشکلات کو دور کر دیتا ہے۔ کاش! مسلمان سمجھیں اور سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے یہ ایک نیک راہ پیدا کر دی ہے اور وہ اسپر چل کر فائدہ اٹھائیں ؞

یقیناً یاد رکھو کہ جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور اسکی پاک کتاب پر عمل کرتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو لا انتہا برکات سے حصہ دیتا ہے ایسی برکات اسے دیجاتی ہیں جو اس دنیا کی نعمتوں سے وہ بہت ہی بڑھ کر ہوتی ہیں ان میں سے ایک عفو گناہ بھی ہے کہ جب وہ رجوع کرتا اور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ دوسرے لوگ اس نعمت سے بالکل بے بہرہ ہیں اس لئے کہ وہ اس پر اعتقاد ہی نہیں رکھتے ہیں کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ہم کو جونوں میں جانا پڑیگا اور معافی نہیں مل سکتی۔ عیسائیوں کے اصول کے موافق مسیحؑ کے خون پر ایک بار ایمان لاکر اگر گناہ ہو جاوے تو پھر صلیب مسیحؑ کوئی فائدہ نہیں دے سکتی کیونکہ مسیحؑ صلیب پر دو مرتبہ نہیں چڑھیگا تو کیا یہ بات صاف نہیں ہے کہ ان دونو کے لئے بخشے جانے اور نجات کی راہ بند ہے کیونکہ صدور گناہ تو ترک نہیں سکتا اگر اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کا شکر نہ کرے تو یہ بھی گناہ ہے اور غفلت کرے تو یہ بھی گناہ ہے اسلئے ان گناہوں پر یہی جونوں میں جانا پڑیگا یا مسیحؑ کو دوبارہ صلیب نہیں دیا جاویگا اس لئے کلی طور پر مایوس ہونا پڑے گا۔

مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ تعلیم نہیں دی ان کے لئے ہر وقت توبہ کا دروازہ کھلا ہے جب انسان اس کی طرف رجوع کرے اور اپنے پچھلے گناہوں کا اقرار کرکے اس سے خواستگار معافی ہو اور آئندہ کے لئے نیکیوں کا عزم کرے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ میری باتوں کو

متوجہ ہو کر سنو ایسا نہ ہو کہ یہ باتیں صرف تمہارے کان تک ہی رہ جائیں اور تم ان سے فائدہ اٹھاؤ اور یہ تمہارے دل تک نہ پہنچیں نہیں بلکہ پوری توجہ سے سنو اور ان کو دل میں جگہ دو اور اپنے عمل سے دکھاؤ کہ تم نے ان کو سرسری طور پر نہیں سنا اور ان کا اثر اسی آن کم نہیں بلکہ گہرا اثر ہے ۔

گناہ اور اس کے نتائج اور ان سے نجات

اس بات کو بخوبی یاد رکھو کہ گناہ ایسا زہر ہے جس کے کھانے سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور نہ صرف ہلاک ہی ہوتا ہے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے سے رہ جاتا ہے اور اس قابل نہیں ہوتا کہ یہ نعمت اس کو مل سکے جس جس قدر گناہ میں مبتلا ہوتا ہے اسی اسی قدر اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور وہ روشنی اور نور جو اللہ تعالیٰ کے قرب میں اسے ملتے تھے اس سے پرے ہٹتا جاتا ہے۔ اور تاریکی میں پڑ کر ہر طرف سے آفتوں اور بلاؤں کا شکار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ سب سے زیادہ خطرناک دشمن شیطان اس پر اپنا قابو پا لیتا ہے اور اسے ہلاک کر دیتا ہے۔ لیکن اس خطرناک نتیجہ سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک سامان بھی رکھا ہوا ہے اگر انسان اس سے فائدہ اٹھا لے تو وہ اس ہلاکت کے گڑھے سے بچ جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے قرب کو پا سکتا ہے۔ وہ سامان کیا ہے رجوع الی اللہ یا بالفاظ دیگر توبہ۔ اللہ تعالیٰ کا نام تواب ہے وہ بھی رجوع کرتا ہے اصل بات یہ ہے کہ انسان جب گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بعید ہو جاتا ہے لیکن جب انسان رجوع کرتا ہے یعنی اپنے گناہوں سے نادم ہو کر پھر اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے تو اس رحیم کریم خدا کا رحم اور کرم بھی جوش میں آتا ہے اور وہ اپنے بندہ کی طرف توجہ کرتا ہے اور رجوع کرتا ہے اس لئے اس کا نام تواب ہے پس انسان کو چاہیئے کہ اپنے رب کی طرف رجوع کرے تاکہ وہ اسکی طرف برجوع برحمت کرے ۔

دنیا کی تکلیفوں کی وجوہات

انسان جس قدر مشکلات اور مصائب میں مبتلا ہوتا ہے اور دنیا میں اس پر آفتیں آتی ہیں یہ سب شامت اعمال ہی سے آتی ہیں۔ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا کہ لوگ ایک دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں کہ ہم پر اگر مصیبتیں آئیں تو کیا ہوا انبیاء علیہم السلام پر بھی مصیبتیں آتی ہیں لیکن وہ نہیں جانتے انبیاء علیہم السلام کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے ان کی مصائب اور مشکلات کو کوئی نسبت نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی مصائب میں لذت ہوتی ہے وہ قرب الٰہی کے بڑھانے کا موجب ہوتی ہیں

اُن سے محبت الٰہی بڑھتی ہے اور ان کا فوق العادت استقلال اور رضا و تسلیم اعلیٰ درجہ کی معرفت کا باعث بنتے ہیں برخلاف اسکے یہ مصیبتیں اور بلائیں اور وبائیں جو گناہ کی شامت سے آتی ہیں ان میں درد اور تکلیف کے علاوہ خدا سے بُعد ہوتا ہے اور ایک تاریکی چھا جاتی ہے آخر بالکل تباہی اور بربادی ہو جاتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک زہر ہے زہر کھا کر کوئی بچ نہیں سکتا پس گناہ کا زہر کھا کر یہ توقع کرنا کہ وہ بچ جائیگا خطرناک غلطی ہے یقیناً یاد رکھو کہ جو گناہ سے باز نہیں آتا وہ آخر مریگا اور ضرور مریگا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسل کو اسی لئے بھیجا اور اپنی آخری کتاب قرآن مجید اس لئے نازل فرمائی کہ دنیا اس زہر سے ہلاک نہ ہو بلکہ اس کی تاثیرات سے واقف ہو کر بچ جاوے قدیم سے سُنّت اللہ اسی طرح پر چلی آئی ہے کہ جب دنیا پر گناہ کی تاریکی پھیل جاتی ہے اور انسانوں میں عبودیت نہیں رہتی اور عبودیت اور اُلوہیت کا باہمی رشتہ ٹوٹ جاتا ہے انسان سرکشی اور بغاوت اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اسکی آگاہی اور تنبیہ کیلئے اپنا ایک مامور بھیجدیتا ہے وہ دنیا میں آکر اہل دنیا کو اس خطرناک عذاب سے ڈراتا ہے جو ان کی شرارتوں اور شوخیوں کی وجہ سے آنیوالا ہوتا ہے اور ان کو اس زہر سے جو گناہ کا زہر ہے بچانا چاہتا ہے۔ جو سعید الفطرت ہوتے ہیں وہ اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور سچی توبہ کر کے فائدہ اُٹھاتے ہیں لیکن شریر النفس اپنی شرارتوں میں ترقی کرتے اور اس کی باتوں کو ہنسی ٹھٹھے میں اُڑا کر اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکاتے ہیں اور آخر تباہ ہو جاتے ہیں۔ آجکل یہی زمانہ آیا ہوُا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو سچا تعلق عبودیت کا ہونا چاہیئے اور جو محبت اپنے خالق سے ضروری ہے وہ کہاں ہے؟

ہر ایک شخص اپنی جگہ غور کرے اور اپنے نفس پر قیاس کر کے دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُسکے تعلقات کسقدر ہیں آیا وہ دنیا اور اسکی شان و شوکت کو اپنا معبود سمجھتا ہے یا حقیقی خدا کو معبود مانتا ہے؟ اس کے تعلقات اپنے نفس اہل و عیال اور دوسری مخلوق کے ساتھ کس قسم کے ہیں؟ ان میں اللہ تعالیٰ کا خوف کس درجہ تک ہے؟ ان باتوں پر جب آپ غور کرینگے اور خالی الذہن ہو کر غور کرینگے تو صاف معلوم ہو جائیگا کہ یہ وہ وقت آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی رشتہ اور پیوند لوگوں نے رکھا ہی نہیں ہے۔ اکثر ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور ہستی ہی کا یقین نہیں رکھتے اور جو بعض مانتے ہیں کہ خدا ہے اُن کا ماننا نہ ماننا برابر ہو رہا ہے کیونکہ وہ تقویٰ اللہ اور خشیۃ اللہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے پیدا ہوتے ہیں اُن میں پائے نہیں جاتے گناہ سے نفرت اور احکام الٰہی کی پابندی اور نواہی سے بچنا نظر نہیں آتا پھر کیونکر تسلیم کر لیا جاوے کہ یہ لوگ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ پر ایمان

لائے ہوئے ہیں۔ وللہ در من قال۔

از عمل ثابت کن آں نورے کہ در ایمان تست ٭ دل چو داری یوسفے را راہ کنعاں را گزیں

اور ماسوا اس کے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جب تک کامل اور پورا تعلق نہ ہو وہ برکات اور فیوض جو اس تعلق کے لازمی نتائج ہیں حاصل نہیں ہوتے اس کی مثال ایسی ہے کہ جہاں ایک پیالہ پانی کا پی کر سیر ہونا ہو وہاں ایک قطرہ کہاں تک مفید ہو سکتا ہے اور تشنہ لبی کو بجھا سکتا ہے اور جہاں دس تولہ دوا کھانی ہو وہاں ایک چاول یا ایک رتی سے کیا ہوگا؟ اسی طرح پر جب تک انسان پورے طور پر اللہ تعالیٰ کا مطیع اور وفادار بندہ نہیں بنتا اور کامل نیکی نہیں کرتا اُسوقت تک اس کے انوار و برکات ظاہر نہیں ہوتے۔ ادھوری اور ناتمام باتوں سے بعض اوقات ٹھوکر لگتی ہے ایک شخص نیکی کو اُسکے کمال تک تو پہنچاتا نہیں اور اس سے ان ثمرات کی توقع کرتا ہے جو اس کے درجہ کمال پر پیدا ہوتے ہیں اور جب وہ نہیں ملتے تو اس سچی اور پاک تعلیم سے بدظن ہونے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ بہت سے لوگ اس طرح پر بھی گمراہ ہوئے ہیں لیکن میں یقیناً کہتا ہوں کہ قرآن شریف نے جو تعلیم پیش کی ہے اور جس طریق پر نیکی کی راہیں بتائی ہیں انپر اور اس درجہ تک عامل ہونے سے انسان وہ تمام کمالات اور برکات حاصل کر سکتا ہے جن کا وعدہ دیا گیا ہے اسی پاک تعلیم کی سچی اور کامل پیروی سے ولی اللہ یا ابدال بنتے ہیں بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ولی اللہ یا ابدال بننے کے لئے مخاص راہ ہے جو قرآن شریف میں نہیں ہے وہ سخت نادان اور غلطی پر ہیں۔ یہی وہ راہ ہے جس سے یہ درجے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ ولی یا ابدال کیا کیا کرتے ہیں یہی وہ سچی تبدیلی کر لیتے ہیں اور قرآن شریف کی تعلیم کا سچا متبع اپنے آپ کو بناتے ہیں اور نیکی کو اس حد اور درجہ تک کرتے ہیں جو اسکے کمالات کے لئے مقرر ہے یہی نماز روزہ زکوٰۃ اور صدقات وغیرہ وہ بھی بجا لاتے ہیں لیکن ان میں اور دوسرے لوگوں میں اسقدر فرق ہے کہ وہ اس حد تک ان اعمال صالح کو بجا لاتے ہیں کہ ان میں ایک قوت اور طاقت آجاتی ہے اور ان سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں جو دوسروں کی نظر میں خوارق ہوتے ہیں۔ اسکی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ وہ اعمال صالحہ کو پورے طور پر بجا لاتے ہیں پس جو شخص پوری نیکی کرتا ہے اور اسکو ادھورا اور ناقص نہیں چھوڑتا اور قرآن شریف کی تعلیم کا پورا پابند اپنے آپکو بنا لیتا ہے وہ یقیناً ولی اور ابدال ہو جاتا ہے جو چاہے بن سکتا ہے ہاں یہ سچ ہے کہ اس کے واسطے بڑی دعاؤں کی ضرورت ہے اور دعا کی تعلیم بھی قرآن شریف کی تعلیم ہے جس کے لئے جا بجا ہدایت کی گئی ہے بلکہ اس کا شروع ہی دعا سے ہوا ہے اس بات کو بھی

فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ جیسے کہ اگر کسی شخص کو زندہ رکھنا مقصود ہے تو ضرور ہے کہ اسکو پوری غذا دیجاوے چند دانوں پر اُس کی زندگی کی اُمید کرنا خیال خام ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ میں زندگی حاصل کرنے کے لئے پوری نیکیوں کا کرنا ضروری ہے جو اس طریق کو چھوڑتا ہے وہ آج نہیں کل مرجاویگا قرآن شریف نے اسی اصل کو بتایا ہے جو زیادہ حظ اُٹھانا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ زیادہ توجہ کرے۔

اپنی جماعت کو خطاب

ہماری جماعت کو (جس سے لوگ بغض رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ جماعت ہلاک اور تباہ ہوجاوے) یاد رکھنا چاہیئے کہ مَیں اپنے مخالفوں سے باوجود ان کے بُغض کے ایک بات میں اتفاق رکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ یہ جماعت گناہوں سے پاک ہو اور اپنے چال چلن کا عمدہ نمونہ دکھادے ان میں باہم کسی قسم کا بُغض و کینہ نہ رہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پوری اور سچی محبت کرنے والی جماعت ہو لیکن اگر کوئی شخص اس جماعت میں داخل ہوکر بھی اس غرض کو پورا نہیں کرتا اور سچی تبدیلی اپنے اعمال سے نہیں دکھاتا وہ یاد رکھے کہ دشمنوں کی اس مراد کو پورا کردیگا وہ اُن کے سامنے تباہ ہوجاویگا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کا رشتہ نہیں اور وہ کسی کی پروا نہیں کرتا وہ اولاد جو انبیاءؑ کی اولاد کہلاتی تھی یعنی بنی اسرائیل جن میں کثرت سے نبی اور رسول آئے اور اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان فضلوں کے وہ وارث اور حقدار ٹھیرائے گئے تھے۔ لیکن جب اسکی روحانی حالت بگڑی اور اس نے صراط مستقیم کو چھوڑدیا سرکشی فسق فجور کو اختیار کیا نتیجہ کیا ہوا؟ وہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ کی مصداق ہوئی اللہ تعالیٰ کا غضب اُنپر ٹوٹ پڑا اور اُن کا نام بندر اور سؤر رکھا گیا یہاں تک کہ وہ گرگئے اور انسانیت سے بھی اُن کو خارج کیا گیا یہ کسی قدر عبرت کا مقام ہے بنی اسرائیل کیحالت ہر وقت ایک مفید سبق ہے اسی طرح یہ قوم جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے وہ قوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اسپر بڑے بڑے فضل کریگا لیکن اگر کوئی اس جماعت میں داخل ہوکر اللہ تعالیٰ سے سچی محبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور کامل اتباع نہیں کرتا وہ چھوٹا ہو یا بڑا کاٹ ڈالا جائیگا اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ ہوگا پس تمہیں چاہیئے کہ کامل تبدیلی کرو اور جماعت کو بدنام کرنیوالے نہ ٹھیرو۔

امتیاز ذات

بعض نادان ایسے بھی ہیں جو ذاتوں کی طرف جاتے ہیں اور اپنی ذات پر بڑا تکبّر اور ناز کرتے

ہیں۔ بنی اسرائیل کی ذات کیا کم تھی؟ انہیں نبی اور رسول آتے تھے لیکن کیا انکی اس اعلیٰ ذات کا کوئی لحاظ اللہ تعالیٰ کے حضور ہوا جب اسکی حالت بدل گئی۔ ابھی میں نے کہا ہے کہ انکا نام سؤر اور بندر رکھا گیا اور اُسے اطرح پر انسانیت کے دائرہ سے خارج کر دیا۔ میں نے دیکھا ہے کہ بہت لوگوں کو یہ مرض لگا ہوا ہے خصوصاً سادات اس مرض میں بہت مبتلا ہیں کہ وہ دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اپنی ذات پر ناز کرتے ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے ذات کچھ بھی چیز نہیں ہے اور اُسے ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سیّد ولد آدم اور افضل الانبیاء ہیں انہوں نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے صاف طور پر فرمایا کہ اے تو اس رشتہ پر بھروسہ نہ کرنا کہ میں پیغمبر زادی ہوں قیامت کو یہ ہرگز نہیں پوچھا جاویگا کہ تیرا باپ کون ہے وہاں تو اعمال کام آئینگے میں یقیناً جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے زیادہ دور پھینکنے والی اور حقیقی نیکی کی طرف آنے سے روکنے والی بڑی بات یہی ذات کا گھمنڈ ہے کیونکہ اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور تکبر ایسی شئے ہے کہ وہ محروم کر دیتا ہے علاوہ ازیں وہ اپنا سارا سہارا اپنی غلط فہمی سے اپنی ذات پر سمجھتا ہے کہ میں گیلانی ہوں یا فلاں سیّد ہوں حالانکہ وہ نہیں سمجھتا کہ یہ چیزیں وہاں کام نہیں آئیں گی ذات اور قوم کی بات تو مرنے کے ساتھ ہی الگ ہو جاتی ہے مرنے کے بعد اسکا کوئی تعلق باقی رہتا ہی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَہٗ کوئی بُرا عمل کرے، خواہ کتنا ہی کیوں نہ ہو اسکی پاداش اسکو ملیگی یہاں کوئی تخصیص ذات اور قوم کی نہیں کی اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے پس ذاتوں پر ناز اور گھمنڈ نہ کرو کہ یہ نیکی کیلئے روک کا باعث ہو جاتا ہے۔ ہاں ضروری یہ ہے کہ نیکی اور تقویٰ میں ترقی کرو اللہ تعالیٰ کے فضل اور برکات اسی راہ سے آتے ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ ہماری جماعت اور ہم جو کچھ ہیں۔ اسی حال میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور اسکی نصرت ہمارے شامل حال ہوگی کہ ہم صراط مستقیم پر چلیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اور سچی اتباع کریں۔ قرآن شریف کی پاک تعلیموں کو اپنا دستور العمل بنادیں نہ صرف قال سے اگر ہم اس طریق کو اختیار کرینگے تو یقیناً یاد رکھو کہ ساری دنیا بھی ملکر ہم کو ہلاک کرنا چاہے تو ہم ہلاک نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ خدا ہمارے ساتھ ہوگا لیکن اگر ہم اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور اس سے قطع تعلق کر چکے ہیں تو ہماری ہلاکت کے لئے کسی کو منصوبہ کرنے کی ضرورت نہیں کسی مخالفت کی حاجت نہیں وہ سب سے پہلے خود ہم کو ہلاک کر دیگا۔

ہمیشہ سے سنت اللہ اسی طرح سے چلی آئی ہے جب بنی اسرائیل نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی اختیار کی

اور اُس نے گناہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو ہلاک کیا حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام پیغمبر ان میں موجود تھے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ سے سخت بیزار اور متنفر ہے وہ کبھی پسند نہیں کر سکتا کہ ایک شخص بغاوت کرے اور اسکو سزا نہ دیجاوے ؛

یہ بات بھی خوب یاد رکھو کہ گنہگار اللہ تعالیٰ پر ایمان اور یقین نہیں رکھتا۔ اگر ایمان رکھتا تو ہرگز گناہ کرنے کی جرأت نہ کرتا حدیث میں جو آیا ہے کہ چوری کرنے والا یا زانی یا بدکار اپنے فعل کے وقت مومن نہیں ہوتا اس کا بھی یہی مطلب ہے کیونکہ سچّا ایمان تو گناہ سے دُور کرتا ہے اور شیطان سے کُشتی میں وہ شیطان پر غالب آجاتا ہے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص علانیہ بدکاری میں مبتلا ہے اور دوسری خطاکاریوں سے باوجودیکہ ان کی بُرائی سے آگاہ ہے باز نہیں آتا تو پھر بجز اسکے اور کیا کہنا پڑیگا کہ وہ خدا پر ایمان نہیں رکھتا اگر ایمان رکھتا تو ان بدیوں سے بچتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ خدا گناہ سے سخت بیزار ہے اور اُس نتیجہ بہت ہی بُرا اور تکلیف ہے ؛

نفس کی تین حالتیں

نفس کی تین حالتیں ہیں۔ یا یہ کہو۔ کہ نفس تین رنگ بدلتا ہے بچپن کیحالتیں نفس زکیہ ہوتا ہے یعنی بالکل سادہ ہوتا ہے اس عمر کے طے کرنیکے بعد پھر نفس پر تین حالتیں آتی ہیں۔ سب سے اوّل جو حالت ہوتی ہے اس کا نام نفس امّارہ ہے۔ اس حالت میں انسان تمام طبعی قوّتیں جوش زن ہوتی ہیں اور اسکی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے دریا کا سیلاب آجاوے۔ اسوقت قریب ہوتا ہے۔ کہ غرق ہوجاوے یہ جوش نفس ہر قسم کی بے اعتدالیوں کی طرف لیجاتا ہے۔ لیکن پھر اسپر ایک حالت اور بھی آجاتی ہے جس کا نام نفس لوّامہ ہے۔ اس کا نام لوّامہ اسلیئے رکھا گیا ہے۔ کہ وہ بدی پر ملامت کرتا ہے۔ اور یہ حالت نفس کی روا نہیں رکھتی۔ کہ انسان ہر قسم کی بے اعتدالیوں اور جوشوں کا شکار ہوتا چلا جاوے۔ جیسا کہ نفس امّارہ کی صورت میں تھا۔ بلکہ نفس لوّامہ اسے بدیوں پر ملامت کرتا ہے یہ سچ ہے کہ نفس لوّامہ کی حالتیں انسان بالکل گناہ سے پاک اور بری نہیں ہوتا۔ مگر اسمیں بھی کوئی کلام نہیں کہ اسحالتیں بھی انسان کی شیطان اور گناہ کے ساتھ ایک جنگ ہوتی رہتی ہے۔ کبھی شیطان غالب آجاتا ہے اور کبھی غالب آجاتا ہے۔ مگر نفس لوّامہ والا اللہ تعالیٰ کے رحم کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے وہ بدیوں کے خلاف اپنے نفس سے جنگ کرتا رہتا ہے۔ آخر اسی کشمکش اور جنگ وجدل میں اللہ تعالیٰ اسپر رحم کر دیتا ہے۔ اور اُسے وہ نفس کیحالت عطا ہوتی ہے۔ جس کا نام مطمئنہ ہے یعنی اسحالتیں انسان شیطان اور نفس کی

لڑائی میں فتح پا کر انسانیت اور نیکی کے قلعہ کے اندر آکر داخل ہو جاتا ہے اور قلعہ کو فتح کر کے مطمئن ہو جاتا ہے۔ اسوقت یہ خدا پر راضی ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اسپر راضی ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ پوری طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں فنا اور محو ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مقادیر کے ساتھ اسکو پوری صلح اور رضا حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ یعنی اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پا گیا ہے اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ۔ تو اُس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں مل جا۔ اور میرے بہشت کے اندر آجا۔

رضاء بالقضاء اور دعا کی ضرورت

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سچا رجوع اُسوقت ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی رضاء سے رضا مل جاوے۔ یہ وہ حالت ہے۔ جہاں انسان اولیاء۔ اور ابدال اور مقربین کا درجہ پاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ سے مکالمہ کا شرف ملتا ہے۔ اور وحی کی جاتی ہے اور چونکہ وہ ہر قسم کی تاریکی اور شیطانی شرارت سے محفوظ ہوتا ہے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضاء میں زندہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ایک ابدی بہشت اور سرور میں ہوتا ہے۔ انسانی ہستی کا مقصد اعلیٰ اور غرض اسی مقام کا حاصل کرنا ہے اور یہی وہ مقصد ہے جو اسلام کے لفظ میں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ کیونکہ اسلام سے سچی مراد یہی ہے۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضاء کے تابع اپنی رضاء کرے۔ مگر سچ یہ ہے کہ یہ مقام انسان کی اپنی قوت سے نہیں مل سکتا۔ ہاں اس میں کلام نہیں۔ کہ انسان کا فرض ہے۔ کہ وہ مجاہدات کرے۔ لیکن اس مقام کے حصول کا اصل اور سچا ذریعہ دعا ہے انسان کمزور ہے۔ جب تک دعا سے قوت اور تائید نہیں پاتا۔ اس دشوار گذار منزل کو طے نہیں کر سکتا۔ خود اللہ تعالیٰ انسان کی کمزوری اور اس کے ضعیف حال کے متعلق ارشاد فرماتا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ یعنی انسان ضعیف اور کمزور بنایا گیا ہے۔ پھر باوجود اسکی کمزوری کے اپنی ہی طاقت سے ایسے عالی درجہ اور ارفع مقام کے حاصل کرنے کا دعویٰ کرنا سراسر خام خیالی ہے۔ اس کے لئے دعا کی بہت بڑی ضرورت ہے دعا ایک زبردست طاقت ہے۔ جس سے بڑے بڑے مشکل مقام حل ہو جاتے ہیں اور دشوار گذار منزلوں کو انسان بڑی آسانی سے طے کر لیتا ہے۔ کیونکہ دعا اس فیض اور قوت کے جذب کرنیوالی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے آتا ہے۔ جو شخص کثرت سے دعاؤں میں لگا رہتا ہے۔ وہ آخر اس فیض کو کھینچ لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے تائید یافتہ ہو کر اپنے مقاصد کو پا لیتا ہے۔

ہاں نری دعا اللہ تعالیٰ کا منشاء نہیں ہے۔ بلکہ اوّل تمام مساعی اور مجاہدات کو کام میں لاوے۔ اور اس کے ساتھ دعا سے کام لے۔ اسباب سے کام نہ لینا اور نری دعا سے کام لینا

یہ ادا ب الدعاء ناواقفی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو آزمانا ہے۔ اور نرے اسباب پر گر رہنا اور دُعا کو لاشے محض سمجھنا یہ دہریت ہے۔ یقیناً سمجھو کہ دُعا بڑی دولت ہے۔ جو شخص دُعا کو نہیں چھوڑتا اسکو دین اور دنیا پر آفت نہ آئیگی۔ وہ ایک ایسے قلعہ میں محفوظ ہے۔ جس کے ارد گرد مسلح سپاہی ہر وقت حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن جو دُعاؤں سے لاپرواہ ہے وہ اس شخص کی طرح ہے۔ جو خود بے ہتھیار ہے اور اس پر کمزوری بھی ہے۔ اور پھر ایسے جنگل میں ہے۔ جو درندوں اور موذی جانوروں سے بھرا ہوا ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کی خیر ہرگز نہیں ہے۔ ایک لمحہ میں وہ موذی جانوروں کا شکار ہو جائے گا۔ اور اس کی ہڈی بھی نظر نہ آئے گی۔ اس لئے یاد رکھو! کہ انسان کی بڑی سعادت اور اسکی حفاظت کا اصل ذریعہ ہی دُعا ہے۔ یہی دُعا اُس کے لئے پناہ ہے اگر وہ ہر وقت اسمیں لگا رہے۔

مذہب اسلام کا خاص امتیاز

یہ بھی یقیناً سمجھو کہ یہ ہتھیار اور نعمت صرف اسلام ہی میں دی گئی ہے۔ دوسرے مذاہب اس عطیہ سے محروم ہیں۔ آریہ لوگ بھلا کیوں دُعا کریں گے۔ جبکہ اُن کا یہ اعتقاد ہے کہ تناسخ کے چکر سے ہم نکل ہی نہیں سکتے ہیں اور کسی گناہ کی معافی کی کوئی امید ہی نہیں ہے اُن کو دُعا کی کیا حاجت اور کیا ضرورت اور اس سے کیا فائدہ۔

اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ آریہ مذہب میں دُعا ایک بے فائدہ چیز ہے۔ اور پھر عیسائی دُعا کیوں کرینگے؟ جبکہ وہ جانتے ہیں۔ کہ دوبارہ کوئی گناہ بخشا نہیں جائیگا۔ کیونکہ مسیح دوبارہ تو مصلوب ہو ہی نہیں سکتا۔ پس یہ خاص اکرام اسلام کے لئے ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ اُمت مرحومہ ہے۔ لیکن اگر آپ ہی اس فضل سے محروم ہو جاویں۔ اور خود ہی اس دروازہ کو بند کر دیں تو پھر کس کا گناہ ہے؟ جب ایک حیات بخش چشمہ موجود ہے اور ہر وقت اس میں سے پانی پی سکتا ہے۔ پھر اگر کوئی اس سے سیراب نہیں ہوتا ہے تو خود طالب موت اور تشنہ ہلاکت ہے۔ اس صورت میں تو چاہیئے۔ کہ اس پر مُنہ رکھدے۔ اور خوب سیراب ہو کر پانی پی لیوے۔ یہ میری نصیحت ہے۔ جس کو میں ساری نصائح قرآنی کا مغز سمجھتا ہوں۔ قرآن شریف کے تیس ۳۰ سیپارے ہیں۔ اور وہ سب نصائح سے لبریز ہیں۔ لیکن جو شخص نہیں جانتا۔ کہ ان میں سے وہ نصیحت کونسی ہے۔ جس پر اگر مضبوط ہو جاویں اور اس پر پورا عمل درآمد کریں۔ تو قرآن کریم کے سارے احکام پر چلنے اور ساری منہیات سے بچنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ مگر میں تمھیں بتاتا ہوں کہ وہ کلید

اور قوت دُعا ہے۔ دُعا مضبوطی سے پکڑلو۔ مَیں یقین رکھتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں۔ کہ پھر اللہ تعالےٰ ساری مشکلات کو آسان کر دیگا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ لوگ دُعا کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے۔ کہ دُعا کیا چیز ہے؟ دُعا یہی نہیں ہے۔ کہ چند لفظ مُنہ سے بڑبڑا لئے یہ تو کچھ بھی نہیں۔ دُعا اور دعوت کے معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی مدد کے لئے پکارنا اور اُس کا کمال درد دل۔ اور جلن اور سوز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ اور اس کو پکارے ایسا کہ اس کی روح پانی کی طرح گداز ہو کر آستانہ اُلوہیت کی طرف بہ نکلے۔ یا جس طرح پر کوئی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور وہ دوسرے لوگوں کو اپنی مدد کے لئے پکارتا ہے۔ تو دیکھتے ہو کہ اس کی پکار میں کیسا انقلاب اور تغیر ہوتا ہے۔ اُس کی آواز ہی میں وہ درد بھرا ہوا ہوتا ہے۔ جو دوسروں کے رحم کو جذب کرتا ہے۔ اسی طرح وہ دُعا جو اللہ تعالیٰ سے کی جاوے اس کی آواز اس کا لب ولہجہ اور ہی ہوتا ہے اس میں وہ رقت اور درد ہوتا ہے۔ جو اُلوہیت کے چشمۂ رحم کو جوش میں لاتا ہے۔ اس دُعا کے وقت آواز ایسی ہو۔ کہ سارے اعضاء اس سے متاثر ہو جاویں۔ اور زبان میں خشوع خضوع ہو دل میں درد اور رقت ہو۔ اعضاء میں انکسار اور رجوع الی اللہ ہو۔ اور پھر سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر کامل ایمان اور پوری اُمید ہو۔ اُس کی قدرتوں پر ایمان ہو۔ ایسی حالت میں جب آستانہ اُلوہیت پر گریگا نامراد واپس نہ ہوگا۔ چاہیئے کہ اس حالت میں بار بار حضور الٰہی میں عرض کرے۔ کہ میں گنہگار ہوں۔ اور کمزور ہوں تیری دستگیری اور فضل کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ تو آپ رحم فرما۔ اور مجھے گناہوں سے پاک کر۔ کیونکہ تیرے فضل و کرم کے سوا کوئی اور نہیں ہے جو مجھے پاک کرے۔ جب اس قسم کی دُعا میں مداومت کریگا اور استقلال اور صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور تائید کا طالب رہیگا تو کسی نامعلوم وقت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور اور سکینت اس کے دل پر نازل ہوگی جو دل سے گناہ کی تاریکی دُور کریگی اور غیب سے ایک طاقت عطا ہوگی۔ جو گناہ سے بیزاری پیدا کر دیگی۔ اور وہ ان سے بچیگا۔ اس حالت میں دیکھیگا۔ کہ میرا دل جذبات اور نفسانی خواہشوں کا ایسا اسیر اور گرفتار تھا۔ کہ گویا ہزاروں ہزار زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ جو بے اختیار اسے کھینچکر گناہ کی طرف لیجاتے تھے۔ یا یکدفعہ وہ سب زنجیر ٹوٹ گئے ہیں اور آزاد ہو گیا ہے۔ اور جیسے پہلی حالت میں گناہ کی طرف ایک رغبت اور رجوع تھا۔ اس حالت میں وہ محسوس اور مشاہدہ کریگا کہ وہی رغبت اور رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ گناہ سے محبت کی بجائے نفرت اور اللہ تعالیٰ سے وحشت اور نفرت کی بجائے محبت اور کشش پیدا ہوگی ؀

اسلام کا زندہ ثبوت دعا ہے اور دنیا سے بیزاری کے فوائد

یہ ایک زبردست صداقت ہے۔ جو اسلام میں موجود ہے۔ اس کا انکار ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کا زندہ ثبوت ہر زمانہ میں موجود رہتا ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں۔ اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ اگر انسان اس امر کو سمجھ لے اور دعا کے راز سے آگاہ ہو جاوے۔ تو اس میں اسکی بڑی ہی سعادت اور نیک بختی ہے۔ اور اس صورت میں سمجھو۔ کہ گویا اس کی ساری ہی مرادیں پوری ہو گئی ہیں۔ ورنہ دنیا کے ہم و غم تو اس قسم کے ہیں۔ کہ انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ جو شخص رو بدنیا ہوتا ہے وہ تھوڑی دور چل کر رہ جاتا ہے۔ کیونکہ نامرادیاں اور ناکامیاں اکثر آکر ہلاک کر دیتی ہیں لیکن جو شخص ساری قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ رو بخدا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے اسکے سب حرکات و سکنات ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ دنیا کو بھی ناک سے پکڑ کر اس کا خادم بنا دیتا ہے۔ اگرچہ اس حالت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ دنیادار تو دنیا کا دیوانہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ رو بخدا شخص جسکی دنیا خادم کی جاتی ہے۔ دنیا اور اس کی لذتوں میں کوئی لذت نہیں پاتا۔ بلکہ ایک قسم کی بدمزگی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ لطف اور ذوق دنیا کی طرف نہیں ہوتا۔ بلکہ کسی اور طرف ہو جاتا ہے۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے۔ اور ساری راحت اور لذت اللہ تعالیٰ ہی کی رضا میں پاتا ہے تو کچھ شک نہیں کہ دنیا بھی اس کے پاس آجاتی ہے۔ مگر راحت کے طریق اور ہو جائینگے۔ وہ دنیا اور اس کی راحتوں میں کوئی لذت اور راحت نہیں پاتا۔ اسی طرح پر انبیاء اور اولیاء کے قدموں پر دنیا کو لا کر ڈال دیا گیا ہے۔ مگر ان کو دنیا کا کوئی مزہ نہیں آیا۔ کیونکہ ان کا رخ اور طرف تھا۔ یہی قانون قدرت ہے۔ جب انسان دنیا کی لذت چاہتا ہے تو وہ اسے نہیں ملتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ میں فنا ہو کر دنیا کی لذت کو چھوڑتا ہے۔ اور اس کی آرزو اور خواہش باقی نہیں رہتی۔ تو دنیا ملتی ہے۔ مگر اسکی لذت باقی نہیں رہتی۔ یہ ایک مستحکم اصول ہے۔ اسکو بھولنا نہیں چاہیئے۔ خدایابی کے ساتھ دنیا یابی وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بار بار فرماتا ہے۔ کہ جو تقویٰ اختیار کریگا۔ اسے تمام مشکلات سے نجات ملیگی۔ اور ایسے طور پر اسے رزق دیگا۔ کہ اسے علم بھی نہ ہوگا۔ یہ کسقدر برکت اور نعمت ہے۔ کہ ہر قسم کی تنگی اور مشکل سے آدمی نجات پا جاوے۔ اور اللہ تعالیٰ اسکے رزق کا کفیل ہو۔ لیکن یہ بات جیسا کہ خود اس نے فرمایا۔ تقویٰ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور کوئی امر اس کے ساتھ نہیں بتایا۔ کہ دنیوی مکر و فریب سے یہ باتیں حاصل ہونگی۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی علامات میں سے یہ بھی ایک علامت ہے۔ کہ وہ دنیا سے طبعی نفرت کرتے ہیں پس جو شخص چاہتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو جاوے۔ اور دنیا اور آخرت کی راحت اسے ملجاوے۔

وہ یہ راہ اختیار کرے۔ اگر اس راہ کو تو چھوڑتا ہے۔ اور اور راہیں اختیار کرتا ہے۔ تو پھر ٹکریں مار کر دیکھ لے کہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ ہونگے۔ جن کو یہ نصیحت بُری لگے گی۔ اور وہ ہنسی کرینگے۔ لیکن وہ یاد رکھیں کہ آخر ایک وقت آجائیگا۔ کہ وہ ان باتوں کی حقیقت کو سمجھیں گے اور پھر بول اُٹھیں گے کہ افسوس ہم نے یونہی عمر ضائع کی۔ لیکن اسوقت کا افسوس کچھ کام نہ دیگا۔ اصل موقع ہاتھ سے نکل جائیگا۔ اور پیغام موت آجائیگا۔ میں پھر کہتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنیکی فکر کرو۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ مہربان ہوجاوے۔ تو ساری دُنیا مہربان ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر وہ ناراض ہو۔ تو کوئی بھی کام نہیں آسکتا۔ جب اُس کا غضب آگیا۔ تو دنیا میں کوئی مہربان نہ رہیگا خواہ کیسا ہی مکرو فریب کرے۔ تسبیحیں ڈالے بھگوے اور سبز کپڑے پہنے۔ مگر دنیا اس کو حقیر ہی سمجھے گی۔ اگرچند روز دنیا دھوکا کھا بھی لے۔ تو بھی آخر اسکی قلعی کُھل جائیگی اور اس کا مکروفریب ظاہر ہوجائیگا۔ لیکن جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ دنیا اسکی کتنی مخالفت کرے۔ وہ اپنی مخالفت اور منصوبوں میں کامیاب نہ ہوگی۔ اس کو گالیاں دے۔ لعنتیں بھیجے۔ لیکن ایک وقت آجائیگا۔ کہ وہی دنیا اسکی طرف رجوع کریگی۔ اور اس کی سچائی کا اعتراف اُسے کرنا پڑیگا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ اللہ جس کا ہوجاتا ہے۔ دنیا بھی اسکی ہوجاتی ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے۔ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ ابتداءً اہل دُنیا انکے دشمن ہوجاتے ہیں اور اُسے قسم قسم کی تکلیفیں دیتے اور اسکی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ کوئی پیغمبر اور مرسل نہیں آیا۔ جس نے دُکھ نہ اُٹھایا ہو۔ مکّار۔ فریبی۔ دوکاندار اس کا نام نہ رکھا گیا ہو۔ مگر باوجود اس کے کہ کروڑہا بندوں نے اس پر ہر قسم کے تیر چلانے چاہے۔ پتھر مارے۔ گالیاں دیں۔ انہوں نے کسی بات کی پروا نہیں کی۔ کوئی امر اُن کی راہ میں روک نہیں ہوسکا۔ وہ دُنیا کو اللہ تعالیٰ کا کلام سُناتے رہے۔ اور وہ پیغام جو لیکر آئے تھے۔ اُس کے پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ان تکلیفوں اور ایذا رسانیوں نے جو نادان دُنیا داروں کی طرف سے پہنچیں۔ ان کو سُست نہیں کیا۔ بلکہ وہ اور تیز قدم ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے وہ مشکلات انپر آسان کردیں اور مخالفوں کو سمجھ آنے لگی اور پھر وہی مخالف دنیا اُن کے قدموں پر آگری۔ اور انکی راستبازی اور سچائی کا اعتراف ہونے لگا دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ جب چاہتا ہے بدل دیتا ہے۔ یقیناً یاد رکھو! تمام انبیاء کو اپنی تبلیغ میں مشکلات پیش آئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سب انبیاء علیہم السّلام سے افضل اور بہتر تھے۔ یہاں تک کہ آپ پر سلسلہ نبوت اللہ تعالیٰ

نے ختم کر دیا۔ یعنی تمام کمالاتِ نبوت آپؐ پر طبعی طور ختم ہو گئے۔ باوجود ایسے جلیل الشان نبی ہونے کے کون نہیں جانتا۔ کہ آپؐ کو تبلیغ رسالت میں کسقدر مشکلات اور تکالیف پیش آئیں۔ اور کفار نے کس حد تک آپؐ کو ستایا۔ اور دُکھ دیا۔ اس مخالفت میں اپنی ہی قوم اور چچا اور دوسرے لوگ سب سے بڑھ کر حصہ لینے والے تھے۔ آپؐ کی مصیبتوں اور تکلیفوں کا زمانہ اتنا لمبا ہُوا۔ کہ تیرہ ۱۳ برس تک اپنی قوم سے ہر قسم کے دُکھ اُٹھاتے رہے۔ اس حالت میں کوئی نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہ یہ شخص کامیاب ہوگا۔ کیونکہ ہر طرف مخالفت کا بازار گرم تھا۔ اور خود اپنے رشتہ دار ہی تشنۂ خون ہو رہے تھے۔ جدی اور برادری کے لوگوں نے جب قبول نہ کیا۔ تو اوروں کو اور بھی مشکلات پیش آ گئے۔ غرض اس طرح پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مصیبتوں کا زمانہ دراز ہو گیا؛

موسیٰؑ و مثیل موسیٰ علیہم السلام کی قومی تبلیغ

حضرت موسیٰؑ کو اس قسم کے مشکلات پیش نہیں آئے۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ کی قوم بنی اسرائیل نے انکو فوراً قبول کر لیا تھا۔ اس لئے قوم کی طرف سے کوئی دُکھ اور مصیبت یا روک اُن کو پیش نہیں آئی۔ لیکن برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ہی قوم سے مشکلات اور انکار کا مرحلہ پیش آیا۔ پھر ایسی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابیاں کیسی اعلیٰ درجہ کی ثابت ہوئی ہیں جو آپؐ کے کمالات اور فضائل کا سب سے بڑھ کر ثبوت ہے؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالےٰ کے اذن و امر سے تبلیغ شروع کی تو پہلے ہی آپؐ کو یہ مرحلہ پیش آیا۔ کہ قوم نے انکار کیا۔ لکھا ہے کہ جب آپؐ نے قریش کی دعوت کی۔ اور سب کو بُلا کر کہا۔ کہ مَیں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ اسکا جواب دو۔ یعنی مَیں اگر تمہیں یہ کہوں۔ کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بڑی بھاری فوج پڑی ہوئی ہے۔ اور وہ اس گھات میں بیٹھی ہوئی ہے۔ کہ موقع پا کر تم کو ہلاک کر دے تو کیا تم باور کرو گے۔ سب نے بالاتفاق کہا۔ کہ بے شک ہم اس بات کو تسلیم کرینگے۔ اس لئے کہ تُو ہمیشہ سے **صادق** اور **امین** ہے۔ جب وہ اقرار کر چکے۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ دیکھو مَیں سچ کہتا ہوں۔ کہ مَیں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں۔ اور تم کو آنیوالے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اتنی بات کہنی تھی۔ کہ سب آگ ہو گئے۔ اور ایک شریر بول اُٹھا تبًّا لک سائر الیوم۔

افسوس جو بات اُن کی نجات اور بہتری کی تھی۔ ناعاقبت اندیش قوم نے اسکو بُرا ہی سمجھا اور مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ اب اس کے بالمقابل موسیٰ علیہ السّلام کی قوم کو دیکھو۔ بنی اسرائیل باوجودیکہ ایک

سخت دل قوم تھی۔ لیکن انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی تبلیغ پر فوراً ہی اس کو قبول کرلیا۔ اور اس طرف موسیٰ علیہ السّلام سے افضل کو قوم نے تسلیم نہ کیا۔ اور مخالفت کے لئے تیار ہو گئے۔ مصائب کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ آئے دن قتل کے منصوبے ہونے لگے اور یہ زمانہ اتنا لمبا ہوگیا۔ کہ تیرہ برس تک برابر چلا گیا۔ تیرہ برس کا زمانہ کم نہیں ہوتا۔ اس عرصہ میں آپؐ نے جسقدر دکھ اٹھائے۔ ان کا بیان بھی آسان نہیں ہے۔ قوم کی طرف سے تکالیف اور ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی جاتی تھی۔ اور ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر اور استقلال کی ہدایت ہوتی تھی۔ اور بار بار حکم ہوتا تھا۔ کہ جس طرح پہلے نبیوں نے صبر کیا ہے۔ تو بھی صبر کر۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمال صبر کے ساتھ ان تکالیف کو برداشت کرتے تھے اور تبلیغ میں سُست نہ ہوتے تھے۔ بلکہ قدم آگے ہی پڑتا تھا۔ اور اصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا صبر پہلے نبیوں کا سا نہ تھا۔ کیونکہ وہ تو ایک محدود قوم کے لئے مبعوث ہو کر آئے تھے۔ اس لئے ان کی تکالیف اور ایذا رسانیاں بھی اُسی حد تک محدود ہوتی تھیں۔ لیکن اس کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر بہت ہی بڑا تھا۔ کیونکہ سب سے اوّل تو اپنی ہی قوم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالف ہوگئی۔ اور ایذا رسانی کے درپے ہوئی۔ اور پھر عیسائی بھی دشمن ہو گئے۔ جب اُنکو سُنایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام صرف ایک خدا کے بندے اور رسول تھے۔ تو اُن کو آگ لگ گئی۔ کیونکہ وہ تو اُنکو خدا بنائے بیٹھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر حقیقت کھولدی۔ یہ قاعدہ کی بات ہے۔ کہ انسان جس کو خدا بنا لیتا ہے۔ اور اپنا معبود مانتا ہے۔ اسکا ترک کرنا آسان نہیں ہوتا۔ بلکہ پھر اُسکو چھوڑنا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ عیسائیوں کا یہ اعتقاد پختہ ہوگیا ہُوا تھا۔ اس لئے جب اُنہوں نے سُنا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے مصنوعی خدا کو انسان بنا دیا۔ تو وہ دشمن جان بن گئے۔ اور اسی طرح پر یہودیوں میں بہت سی مشرکانہ رسومات پیدا ہوگئی تھیں۔ اور وہ حضرت مسیحؑ کا بالکل انکار کرتے تھے جب اُنکو متنبہ کیا گیا۔ تو وہ بھی مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور وہ حضرت مسیحؑ کو معاذ اللہ مکّار اور کذّاب کہتے تھے۔ بالمقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بتایا کہ تم اُنکو کذّاب کہنے میں خود کذّاب ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کا ایک برگزیدہ نبی ہے۔ اس کے علاوہ اُنکی مخالفت کی بڑی بھاری وجہ یہ ہوئی۔ کہ وہ اپنی بیوقوفی اور کم فہمی سے یہ سمجھ بیٹھے تھے۔ کہ خاتم الانبیاء بنی اسرائیل میں سے آئیگا۔ کیونکہ توریت میں جیسا کہ سُنّت اللہ ہے۔ آخری نبی کے متعلق جو پیشگوئی ہے وہ ایسے الفاظ میں ہے جس سے اُنکو یہ شبہ پیدا ہوگیا تھا۔ وہاں لکھا ہے کہ تمھارے بھائیوں میں سے۔ وہ اس سے مراد بنی اسرائیل ہی کر بیٹھے۔ حالانکہ اس سے مراد بنی اسمٰعیل تھی۔ پس اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ سُنا کہ وہ

خاتم الانبیاء ہیں۔ تو انکی اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور جو کچھ وہ توریت کی اس پیشگوئی کے موافق سمجھے بیٹھے تھے وہ غلط قرار دیا گیا۔ اس سے اُن کے آگ لگی۔ اور وہ مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

پیشگوئیوں کے متعلق سُنّت اللہ اور الیاسؑ و مسیحؑ کی آمد ثانی کا فیصلہ

اصل بات یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئیوں میں سُنّت اللہ یہی ہے کہ اُن میں خفا اور ابتلاء کا بھی ایک پہلو ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ پہلو نہ رکھا جاوے۔ تو پھر کوئی اختلاف ہی نہ رہے۔ اور سب کا ایک ہی مذہب ہو جاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے امتیاز کے لئے ایسا ہی چاہا ہے۔ کہ پیشگوئیوں میں ایک ابتلاء کا پہلو رکھدیتا ہے۔ کوتاہ اندیش ظاہر پرست اسپر اڑ جاتے ہیں۔ اور اصل مقصد سے دور جا پڑتے ہیں۔ اسی طرح پر ان یہودیوں کو یہ شکل پیش آئی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شک میں پڑ گئے۔ اگر توریت میں وہ پیشگوئی صاف الفاظ میں ہوتی۔ کہ آنیوالا نبی بنی اسمٰعیل میں سے ہوگا۔ اور اس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ اس کے باپ کا نام عبد اللہ بن عبد المطلب ہوگا۔ اور اُسکی ماں کا نام آمنہ ہوگا۔ تو یہودی کیونکر انکار کرتے؟ مگر انکی بدقسمتی سے پیشگوئی میں ایسی صراحت نہ تھی۔ وہاں لکھا تھا۔ کہ تیرے بھائیوں میں سے۔ وہ اس سے مراد بنی اسرائیل ہی سمجھتے رہے۔ ایسی ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت بھی یہودیوں کو ٹھوکر لگی تھی۔ ملاکی نبی کی کتاب میں حضرت مسیحؑ کے آنے سے پہلے ایلیا کے آنیکی پیشگوئی درج ہے۔ جب حضرت مسیحؑ آگئے۔ اور اُنہوں نے دعویٰ کیا۔ تو یہودی مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کہ پہلے الیاسؑ کا آنا ضروری ہے اس لئے وہ انکار کرنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے خود حضرت مسیحؑ سے یہی سوال کیا۔ کہ الیاسؑ کا آنا جو مسیحؑ سے پہلے ضروری ہے۔ وہ کہاں ہے؟ حضرت مسیحؑ نے کہا۔ کہ آنیوالا الیاسؑ آگیا ہے۔ یعنی وہ یوحنا ابن ذکریاؑ کے رنگ میں آیا ہے۔ چاہو تو قبول کرو۔ مگر یہ بات اُن کی تسلّی کا موجب کیونکر ہو سکتی تھی۔ وہ اس بات پر اڑ رہے۔ کہ وہاں کسی مثیل کے آنیکی خبر تو دی نہیں گئی۔ وہاں تو خود ایلیا کے آنے کا وعدہ ہے۔ اس بنا پر وہ انکار کرتے رہے۔ اور دکھ اور تکلیفیں بھی پہنچاتے رہے۔ یہانتک کہ اب بھی یہودی یہی یقین رکھتے ہیں۔ میرے پاس ایک فاضل یہودی کی کتاب ہے اس نے اس مسئلہ پر ایک لمبی بحث کی ہے اور کہا ہے۔ کہ ہم اُس مسیحؑ کو کیونکر قبول کر سکتے تھے۔ جبکہ اس سے پہلے ایلیاؑ نہیں آیا۔ یہ شخص جو یسوع مسیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اُسکا دعویٰ بناوٹی اور جھوٹا ہے۔ کیونکہ وہ ایلیا کے دوبارہ آنیکی جھوٹی تاویل کرتا ہے۔ ہم اُسکے خالہ زاد بھائی یحییٰؑ کو کیونکر ایلیا سمجھ لیں۔ پھر وہ لوگوں کے سامنے اپیل کرتا ہے۔ کہ ہم کس طرح پر اس شخص کے دعویٰ کو تسلیم کریں۔ جبکہ ہمیں یہ خبر دیگئی

تھی۔ کہ پہلے ایلیاء آئیگا۔ اس میں کبھی تمثیل کا وعدہ نہیں کیا گیا۔ آخر میں کہتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو جب سوال کریگا۔ کہ کیوں اُس مسیحؑ کو قبول نہیں کیا۔ تو ملاکیؑ نبی کی کتاب کھولکر اسکے سامنے رکھدیں گے ؛

اسی قسم کی مشکلات ان لوگوں کو کیوں پیش آئے ؟ اس کی وجہ بجز اسکے کچھ نہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پیشگوئیوں پر غور نہیں کیا۔ اور ظاہر الفاظ پر اَڑے رہے ؛

اسی قسم کے مشکلات اسوقت مسلمانوں کو پیش آئی ہیں۔ لیکن اگر غور کیا جاوے۔ تو اُنکے سامنے تو کوئی نظیر اور فیصلہ موجود نہ تھا۔ لیکن انکے سامنے تو دوبارہ آنیکا مقدمہ فیصل شدہ موجود ہے۔ جو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عدالت سے فیصل ہو چکا ہے۔ انہوں نے تاویل کرکے بتا دیا تھا۔ کہ دوبارہ آنیوالے شخص سے مراد وہی نہیں ہوتا۔ پھر کسقدر افسوس ہے۔ انپر کہ یہ اس فیصلہ سے فائدہ نہیں اٹھاتے لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین۔ یہودیوں کو جس پتھر سے ٹھوکر لگی۔ اور وہ لعنتی ہو گئے۔ اُسی پتھر سے یہ ٹھوکر کھاتے ہیں ؟ یہودی اسوقت دنیا میں موجود ہیں۔ اُنکی کتابیں موجود ہیں۔ ان سے دریافت کر لو کہ کیا یہ اُنکا عقیدہ تھا یا نہیں کہ مسیح سے پہلے ایلیاءؑ آئیگا ؟ اور ملاکی نبی کی کتاب میں یہ پیشگوئی درج ہے یا نہیں ؟ اور پھر عیسائیوں سے پوچھو اور انجیل میں اس فیصلہ کو پڑھو۔ جو مسیحؑ نے خود کیا ہے۔ مومن تو دوسری کی مصیبت سے عبرت پکڑتا ہے۔ لیکن ان مسلمانوں نے اس سے کیا سبق سیکھا۔ یہ یہودی عقیدہ ہے جسکی وجہ سے یہودی واصل جہنم ہوئے۔ اب کیا یہ بھی یہی چاہتے ہیں ؟ میں حیران ہوں۔ کہ انکی عقلوں کو کیا ہو گیا۔ اگر حضرت مسیحؑ کا وہ فیصلہ جو انہوں نے الیاسؑ کے دوبارہ آنیکے متعلق کیا ہے صحیح نہیں ہے۔ تو پھر مجھے جواب دیں۔ کہ حضرت مسیحؑ سچے پیغمبر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اسمیں تو کوئی کلام اور شبہ ہی نہیں۔ کہ انکے آنے سے پیشتر ایلیا کا آنا ضروری تھا۔ اور ایلیا آسمان سے نہیں آیا۔ پھر حضرت مسیحؑ کیونکر سچے نبی ٹھیرینگے ؟ اس عقیدہ فاسد سے یہی نہیں کہ یہودیوں کی طرح حضرت عیسیٰؑ کی رسالت سے انکار کرنا پڑیگا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی معاذ اللہ ہاتھ سے جائیگی۔ کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد اور بعثت حضرت مسیحؑ کے بعد ہے اور جب ابھی تک مسیحؑ ابھی نہیں آیا۔ تو پھر اسلام کیونکر صحیح ہوگا ؟ سوچو اور غور کرو۔ کہ تمھاری ذرا سی ٹھوکر کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے ؟ سنو اصل حقیقت یہی ہے۔ اور سچا فیصلہ وہی ہے جو حضرت مسیحؑ نے کر دیا تھا اُس سے منہ پھیرنا اچھا نہیں ہے فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

غرض انبیاء علیہم السّلام کو اپنی تبلیغ کی راہ میں بہت سی مشکلات ہوتی ہیں۔ اور انکے مصائب میں سے یہ بھی بڑی مصیبت ہے۔ کہ جسقدر دیر نبی کی کامیابی میں ہو گی۔ اُسی قدر ہم و غم اُس کا بڑھیگا۔ میں ان مشکلات سے الگ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو بھی منہاج نبوت پر قائم کیا ہے ؛

اپنی جماعت کو وعظ اور نصائح

ہماری جماعت کیلئے بھی اسی قسم کے مشکلات ہیں۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مسلمانوں کو پیش آئی تھیں چنانچہ نئی اور سب سے پہلی مصیبت تو یہی ہے کہ جب کوئی شخص اس جماعت میں داخل ہوتا ہے۔ تو معاً دوست، رشتہ دار اور برادری الگ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ بعض اوقات ماں باپ اور بھائی بہن بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔ السلام علیک تک کے روادار نہیں رہتے اور جنازہ پڑھنا نہیں چاہتے۔ اس قسم کے بہت سے مشکلات پیش آتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بعض کمزور طبیعت کے آدمی بھی ہوتے ہیں۔ اور ایسی مشکلات پر وہ گھبرا جاتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ اس قسم کے مشکلات کا آنا ضروری ہے۔ تم انبیاء اور رسل سے زیادہ نہیں ہو۔ اُن پر اس قسم کے مشکلات اور مصائب آئیں اور یہ اسی لئے آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان قوی ہو۔ اور پاک تبدیلی کا موقع ملے دعاؤں میں لگے رہو۔ پس یہ ضروری ہے۔ کہ تم انبیاء و رسل کی پیروی کرو۔ اور صبر کے طریق کو اختیار کرو۔ تمہارا کچھ بھی نقصان نہیں ہوتا۔ وہ دوست جو تمہیں قبول حق کی وجہ سے چھوڑتا ہے۔ وہ سچا دوست نہیں ہے ورنہ چاہیئے تھا۔ کہ تمہارے ساتھ ہوتا۔ تمہیں چاہیئے۔ کہ وہ لوگ جو محض اس وجہ سے تمہیں چھوڑتے اور تم سے الگ ہوتے ہیں۔ کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔ اُن سے دنگہ فساد مت کرو۔ بلکہ اُن کے لئے غائبانہ دعا کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ اُنکو بھی بصیرت اور معرفت عطا کرے جو اس نے اپنے فضل سے تمہیں دی ہے تم اپنے پاک نمونہ اور عمدہ چال چلن سے ثابت کر کے دکھاؤ کہ تم نے اچھی راہ اختیار کی ہے۔ دیکھو میں اس امر کے لئے مامور ہوں کہ تمہیں بار بار ہدایت کروں۔ کہ ہر قسم کے فساد اور ہنگامہ کی جگہوں سے بچتے رہو۔ اور گالیاں سن کر بھی صبر کرو۔ بدی کا جواب نیکی سے دو اور کوئی فساد کرنے پر آمادہ ہو۔ تو بہتر ہے کہ تم ایسی جگہ سے کھسک جاؤ۔ اور نرمی سے جواب دو بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص بڑے جوش کے ساتھ مخالفت کرتا ہے۔ اور مخالفت کا وہ طریق اختیار کرتا ہے جو مفسدانہ طریق ہو۔ جس سے سننے والوں میں اشتعال کی تحریک ہو۔ لیکن جب سامنے سے نرم جواب ملتا ہے۔ اور گالیوں کا مقابلہ نہیں کیا جاتا۔ تو خود اُسے شرم آجاتی ہے۔ اور وہ اپنی حرکت پر نادم اور پشیمان ہونے لگتا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ صبر کو ہاتھ سے نہ دو۔ صبر کا ہتھیار ایسا ہے۔ کہ توپوں سے وہ کام نہیں نکلتا جو صبر سے نکلتا ہے۔ صبر ہی ہے۔ جو دلوں کو فتح کر لیتا ہے۔ یقیناً یاد رکھو۔ کہ مجھے بہت ہی رنج ہوتا ہے جب میں یہ سنتا ہوں۔ کہ فلاں شخص اس جماعت کا ہو کر کسی سے لڑا ہے۔ میں اس طریق کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ بھی نہیں چاہتا کہ وہ جماعت جو دنیا میں ایک نمونہ ٹھہرے گی وہ ایسی راہ اختیار کرے جو تقویٰ کی راہ نہیں ہے۔ بلکہ میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہاں تک اس امر کی تاکید کرتا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص اس جماعت میں ہو کر صبر اور برداشت سے کام نہیں لیتا۔ تو وہ یاد رکھے۔ وہ اس جماعت میں داخل نہیں ہے۔ نہایت کار اشتعال اور جوش کی یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ کہ مجھ کو گندی گالیاں دیجاتی ہیں۔ تو اس معاملہ کو خدا کے سپرد کر دو۔ تم اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ میرا معاملہ خدا پر چھوڑ دو تم ان گالیوں کو سن کر بھی صبر اور برداشت سے کام لو۔ تمہیں کیا معلوم ہے۔ کہ میں

ان لوگوں سے کسقدر گالیاں سنتا ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ گندی گالیوں سے بھرے ہوئے خطوط آتے ہیں اور کھلے کارڈوں میں دیجاتی ہیں۔ بیرنگ خطوط آتے ہیں جن کا محصول بھی دینا پڑتا ہے اور پھر جب پڑھتے ہیں۔ تو گالیوں کا طومار ہوتا ہے۔ ایسی فحش گالیاں ہوتی ہیں۔ کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ کسی پیغمبر کو بھی ایسی گالیاں نہیں دی گئی ہیں اور میں اعتبار نہیں کرتا۔ کہ ابوجہل میں بھی ایسی گالیوں کا مادہ ہو لیکن یہ سب کچھ سننا پڑتا ہے۔ جب میں صبر کرتا ہوں۔ تو تمھارا فرض ہے۔ کہ تم بھی صبر کرو۔ درخت سے بڑھ کر تو شاخ نہیں ہوتی تم دیکھو۔ کہ یہ کب تک گالیاں دینگے۔ آخر یہی تھک کر رہ جائینگے۔ انکی گالیاں انکی شرارتیں اور منصوبے مجھے ہرگز نہیں تھکا سکتے۔ اگر میں خدا کی طرف سے نہ ہوتا۔ تو بیشک میں انکی گالیوں سے ڈر جاتا۔ لیکن میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ مجھے خدا نے مامور کیا ہے۔ پھر میں ایسی خفیف باتوں کی کیا پروا کروں یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ تم خود غور کرو۔ کہ انکی گالیوں نے کس کو نقصان پہنچایا ہے۔ انکو یا مجھے؟ انکی جماعت گھٹی ہے اور میری بڑھی ہے۔ اگر یہ گالیاں کوئی روک پیدا کر سکتی ہیں۔ تو دو لاکھ سے زیادہ جماعت کس طرح پیدا ہو گئی۔ یہ لوگ انہیں سے ہی آئے ہیں۔ یا کہیں اور سے۔ انہوں نے مجھ پر کفر کے فتوے لگائے۔ لیکن اس فتوی کفر کی کیا تاثیر ہوئی؟ جماعت بڑھی۔ اگر یہ سلسلہ منصوبہ بازی سے چلایا گیا ہوتا۔ تو ضرور تھا۔ کہ اس فتوی کا اثر ہوتا۔ اور میری راہ میں وہ فتوی کفر بڑی بھاری روک پیدا کر دیتا۔ لیکن جو بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ انسان کا مقدور نہیں ہے کہ اُسے پامال کر سکے۔ جو کچھ منصوبے میری مخالف کئے جاتے ہیں۔ پہچان کرنیوالوں کو حسرت ہی ہوتی ہے

مخالفین کے کارنامے

میں کھول کر کہتا ہوں۔ کہ یہ لوگ جو میری مخالفت کرتے ہیں۔ ایک عظیم الشان دریا کے سامنے جو اپنے پورے زور سے آرہا ہے اپنا ہاتھ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں۔ کہ وہ اس سے رُک جاوے۔ مگر اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ کہ وہ رُک نہیں سکتا۔ یہ ان گالیوں سے روکنا چاہتے ہیں۔ مگر یاد رکھیں۔ کہ کبھی نہیں رُکیگا۔ کیا شریف آدمیوں کا کام ہے کہ گالیاں دیں۔ میں ان مسلمانوں پر افسوس کرتا ہوں۔ کہ یہ کس قسم کے مسلمان ہیں۔ جو ایسی بیباکی سے زبان کھولتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسی گندی گالیاں ہمیں نے تو کبھی کسی چوہڑے چمار سے بھی نہیں سُنی ہیں۔ جو ان مسلمان کہلانیوالوں سے سُنی ہیں ان گالیوں میں یہ لوگ اپنی حالت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اعتراض کرتے ہیں۔ کہ وہ فاسق و فاجر ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکی آنکھیں کھولے۔ اور ان پر رحم کرے۔ آمین۔ ایسے گالیاں دینے والے خواہ ایک کروڑ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے یہ جانتے ہیں۔ کہ ایک پیسہ کا کارڈ ہی ضائع ہوگا۔ مگر نہیں جانتے۔ کہ اس پیسہ کے نقصان کے ساتھ نامہ اعمال بھی سیاہ ہو جائیگا۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ یہ گالیاں دی کیوں جاتی ہیں۔ کیا صرف اس لئے کہ میں کہتا ہوں قرآن شریف کو نہ چھوڑو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرو؟ غضب کی بات ہے کہ قرآن شریف میں لکھا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور پھر زمین پر نہیں آئینگے۔ مگر یہ ماننے میں نہیں آتے۔ اور اس

عقیدہ مخالفت پر اڑتے ہیں۔ اگر میں نہ آیا ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایک سلسلہ قائم نہ کیا ہوتا۔ تو یہ جو کچھ چاہتے کہتے۔ کیونکہ انکو بیدار کرنیوالا اور آگاہ کرنیوالا ان میں موجود نہ تھا۔ لیکن اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کرکے بھیجا ہے! اور میں وہی ہوں۔ جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حَکَم قرار دیا ہے۔ تو پھر میرے فیصلہ پر چون وچرا کرنا انکا حق نہیں تھا۔ طریق تقویٰ تو یہ تھا۔ کہ میری باتوں کو سنتے اور غور کرتے انکار کے لئے جلدی نہ کرتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میرے آنیکے بعد انکا حق نہیں۔ کہ زبان کھولیں۔ کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو کر آیا ہوں اور حَکَم ہو کر آیا ہوں ابھی بہت زمانہ نہیں گذرا۔ کہ مقلد غیر مقلدوں کی غلطیاں نکالتے۔ اور وہ ان کی غلطیاں ظاہر کرتے اور اسطرح پر دوسرے فرقے آپسمیں درندوں کی طرح لڑتے جھگڑتے تھے۔ ایکدوسرے کو کافر کہتے۔ اور نجس بتاتے تھے۔ اگر کوئی تسلی کی راہ موجود تھی تو پھر اسقدر اختلاف اور تفرقہ ایک ہی قوم میں کیوں تھا؟ غلطیاں واقع ہو چکی تھیں۔ اور لوگ حقیقت کی راہ سے دور جا پڑے تھے ایسے اختلاف کے وقت ضرور تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ خود فیصلہ کرتا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک حَکَم ان میں بھیجدیا۔ اب بتاؤ میں نے کیا زیادتی کی ہے۔ یا کیا قرآن شریف سے کم کردیا ہے۔ جو میری مخالفت کے لئے اسقدر جوش پیدا ہوا ہے۔

یہ سچ ہے کہ وحی کی بنا پر جو اللہ تعالیٰ کی کامل اور مجید کتاب کی شرح میں ہے۔ میں نے کہا۔ کہ مسیح مر گیا ہے لیکن اس کی مخالفت کیوں کیجاتی ہے؟ کیوں یہ قرآن شریف کو غور سے نہیں پڑھتے۔ کیا انکو شرم نہیں آتی کہ یہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ موحد کہلاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الانبیاء اور خیر البشر تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن جب ہی لفظ توفی کا آپ پر آتا ہے۔ تو اسکے معنی موت کرتے ہیں۔ اور جب مسیح پر آتا ہے تو زندہ مع جسم آسمان پر جانیکے کرتے ہیں۔ انکی غیرت کو کیا ہوا ہے؟ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہتک کیوں روا رکھتے ہیں۔ کیا قرآن شریف میں نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نہیں آیا۔ اور وہی لفظ مسیح کیلئے مُتَوَفِّيْكَ اور فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ میں آیا ہے۔ پھر یہ کیا ہو گیا۔ کہ ایک جگہ کچھ اور معنی ایک جگہ کچھ اور۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کمزور نبی سمجھا ہے!! جو انہیں زمین میں مدفون کرتے ہیں۔ اور مسیح کو آسمان پر چڑھاتے ہیں!!! اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوتی۔ اور آپکے لئے غیرت ہوتی۔ تو کیوں نہ یہ کہدیتے۔ کہ وہ بھی زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ تب میں بھی سمجھ لیتا۔ کہ یہ مسیح کی خصوصیت نہیں ٹھیراتے۔ مگر موجودہ حالت میں میرا دل گوارا نہیں کرسکتا۔ کہ میں قرآن شریف کے ایسے معنی کروں۔ جو خود قرآن شریف اور لغت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے خلاف ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک شان کا باعث ہوں۔ میں سچ کہتا ہوں۔ کہ جس شخص نے یہ لکھا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نہیں۔ وہ کافر ہے۔" وہ سچ کہتا ہے۔ اس خصوصیت کے پیدا کرنیکا ہی یہ نتیجہ ہے۔ کہ ۲۰ لاکھ مرتد ہو گیا۔ اللہ کے واسطے اسقدر ظلم نہ کرو۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور رتبہ کو گھٹایا جاوے۔

جو اس عقیدہ سے برابر گھٹتی ہے۔ کہ وہ تو زمین دفن کیئے گئے۔ اور مسیح آسمان پر اٹھایا گیا۔ مسیح ہرگز زندہ نہیں رہا۔ وہ مر گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ یَا عِیسٰی اِنِّی مُتَوَفِّیکَ۔ اور خود مسیح نے اقرار کر دیا۔ کہ فَلَمَّا تَوَفَّیتَنِی۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ عیسائیوں کو اعتراض کا موقع نہ دو۔ میری باتوں کو سنو۔ اور غور سے سنو۔ اور پھر اپنی جگہ پر جا کر سوچو!!!

چوتھی تقریر

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام جو ۳ ستمبر ۱۹۰۴ء کو بمقام لاہور بحاضری ہزارہا ہندوؤں کے مجمع میں آپ نے ناظرین کی بیحد خواہش پر فی البدیہہ فرمائی

خوش خلقی کا عمدہ ثبوت

مَیں آپ صاحبوں کا شکر کرتا ہوں کہ آپ نے نہایت صبر اور خاموشی کے ساتھ میرے لیکچر کو سنا۔ مَیں ایک مسافر آدمی ہوں اور کل صبح انشاء اللہ چلا جاؤں گا لیکن مَیں اس شکر اور خوشی کو ساتھ لیجاؤنگا اور یاد رکھوں گا کہ باوجود اختلاف رائے کے جسکی وجہ سے عموماً جوش پیدا ہو جاتا ہے آپ نے نیک اخلاقی اور آہستگی سے میرے مضمون کو سنا۔ مَیں یہ جانتا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ مدت کے خیالات کو چھوڑنا سہل اور آسان نہیں ہوتا خواہ وہ کتنے ہی غلط کیوں نہ ہوں یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے کہ انسان اپنے اندر علمی یا عملی تبدیلی کر سکے لیکن جو اخلاق آپ نے دکھائے ہیں وہ نہایت ہی قابل تعریف ہیں اور مَیں دعا کرتا ہوں کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے عام طور پر یہ اجتماعی رنگ دکھایا ہے وہ ایسا وقت اور زمانہ بھی لاوے کہ دلوں میں بھی اتحاد اور اجتماع ہو۔ اس ملک کو تفرقہ نے بہت نقصان پہنچایا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اس ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں بہت بڑا اتحاد اور اتفاق تھا اور باوجود اختلاف مذاہب بھی باہمی قابل قدر میل ملاپ تھا مگر اس زمانہ میں فرق آگیا اور خدا کرے کہ یہ دور ہو جاوے ؛

یاد رکھو کہ یہ تنگدلی اور تنگ ظرفی کا نشان ہے کہ انسان اختلاف شریعت و مذہب کی وجہ سے اخلاق کو بھی چھوڑ دے۔ اختلاف رائے اور چیز ہے اور اخلاق اور چیز۔ اور یہ انسانی اخلاق کی خوبی اور کمال ہے کہ باوجود اختلاف رائے کے اخلاقی کمزوری نہ دکھائے۔ آج کے جلسہ نے مجھے ایک تازہ امید دلائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے تو یہ میل جول ترقی کریگا ؛

مَیں خوب جانتا ہوں کہ جبتک طبیعت میں یہ استعداد نہیں ہوتی کوئی شخص صبر اور خوش خلقی سے ایک سُن نہیں سکتا وہ ایسی رائے کو سنکر چپ نہیں رہ سکتا اسی لئے یہ خاموشی اور صبر مجھے امید دلاتی ہیں کہ اچھے نتیجے پیدا ہونگے یہ بھی خوبی کی بات ہے کہ جب مخالف رائے سننے تو فوراً جواب دینے کو طیار نہ ہو جائے

کیونکہ یہ تو محض ہارجیت کی خواہش ہوگی لیکن انکی رائے کے صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے اسپر صبر سے فکر کرنا چاہیئے اس سے علم وحکمت پیدا ہوتے ہیں اور علم وحکمت ایسا خزانہ ہیں جو تمام دولتوں سے اشرف ہیں دنیا کی تمام دولتوں کو فنا ہے لیکن علم وحکمت کو فنا نہیں ہے پس جو جلدی نہیں کرتا بلکہ فکر کرتا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے بصیرت اور معرفت عطا کر وہ اس حکمت کے خزانہ کو محفوظ رکھتا ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ صاحبان اس خزانہ کے حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کریں ؛

میں آپ صاحبوں کی خدمت میں ادب عجز اور تواضع سے عرض کرتا ہوں کہ یہ جو کچھ سنایا گیا ہے آپ اسپر توجہ کریں تاکہ میری محنت ضایع نہ ہو جو کچھ میرے قلم سے نکلا ہے اور میرے دوست مولوی عبد الکریم صاحب نے پڑھا ہے میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کسی کی دل آزاری یا استخفاف مذہب کی نیت سے نہیں لکھا بلکہ خدا گواہ ہے اور اس سے بہتر کون گواہ ہو سکتا ہے کہ میں نے سچے دل سے لکھا ہے اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لئے لکھا ہے اور میں جانتا ہوں کہ ع سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل ؛ چونکہ فرصت بہت کم ہے ممکن ہے کہ بعض نے نہ سنا ہو۔ اس لئے ہم نے چھپوا دیا ہے اور بشرط گنجائیش مل سکتا ہے پس اسکو پڑھ کر توجہ کریں اور مذہبی مخالفت کو عام مخالفت کا ذریعہ نہ بناویں ؛

سچے مذہب والے فراخ دل اور اصلاح پسند ہوتے ہیں

مذہب تو اس لئے ہوتا ہے کہ اخلاق وسیع ہوں جیسے خدا کے اخلاق وسیع ہیں کوئی ہزاروں گالیاں اسے دے وہ اسپر پتھر نہیں برسا دیتا پس اسی طرح حقیقی مذہب والا تنگ ظرف نہیں ہو سکتا تنگ ظرف خواہ ہندو ہو یا مسلمان یا عیسائی وہ دوسری بزرگوں کو بھی بدنام کرتا ہے۔ میں اس سے منع نہیں کرتا کہ اختلاف مذہب بیان نہ کرو بیشک نیک نیتی سے اختلاف بیان کرو مگر اس میں تعصب اور کینہ کا رنگ نہ ہو ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات دو چار سال سے نہیں بلکہ صدہا سال سے چلے آتے ہیں اسلئے خدا کرے بہت سے دلوں میں جوش ڈالدے کہ جو ان تعلقات کو دور نہ ہونے دیں۔ یہ بھی یاد رکھو کہ مذہب صرف قیل وقال کا نام نہیں بلکہ جبتک عملی حالت نہ ہو کچھ نہیں خدا اسکو پسند نہیں کرتا جسقدر بزرگ اسلام میں یا ہندوؤں میں اوتار وغیرہ گذرے ہیں اُن کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے عمل سے اُن سچائیوں کو جن کا وہ وعظ کرتے تھے ثابت کر دکھایا ہے قرآن شریف میں بھی یہی تعلیم ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اپنے آپکو درست کرو جس شخص کے اندر خود روشنی اور نور نہیں ہے وہ اگر زبان ہی کام لیگا تو وہ مذہب کو بچوں کا کھیل بنا دیگا اور حقیقت میں ایسے ہی مصلحوں سے ملک کو نقصان پہنچتا ہے انکی زبان پر تو منطق اور فلسفہ جاری رہتا ہے مگر اندر خالی ہوتا ہے ؛

خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں نہایت خیر خواہی سے کہتا ہوں خواہ کوئی میری باتوں کو نیک ظنی سے سنے یا بدظنی سے مگر میں کہونگا کہ جو شخص مصلح بننا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ پہلے خود روشن ہو اور اپنی اصلاح کرے دیکھو یہ سورج جو روشن ہے پہلے اُس نے خود روشنی حاصل کی ہے ۔

میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ ہر ایک قوم کے معلم نے یہی تعلیم دی ہے لیکن اب دوسرے کے سر پر لاٹھی مارنا آسان ہے لیکن اپنی قربانی دینا مشکل ہوگیا ہے پس جو چاہتا ہے کہ قوم کی اصلاح کرے اور خیرخواہی کرے وہ اسکو اپنی اصلاح سے شروع کرے قدیم زمانہ کے رشی اور اوتار جنگلوں اور بنوں میں جاکر اپنی اصلاح کیوں کرتے تھے وہ آجکل کے لیکچراروں کی طرح زبان کھولتے تھے جبتک خود عمل نہ کرلیتے تھے یہی خدا تعالیٰ کے قرب اور محبت کی راہ ہے جو شخص دل میں کچھ نہیں رکھتا اُس کا بیان کرنا پرنالہ کے پانی کی طرح ہے جو جھگڑے پیدا کرتا ہے اور جو نور معرفت اور عمل سے بھر کر بولتا ہے وہ بارش کی طرح ہے جو رحمت سمجھی جاتی ہے ۔ اسوقت میری نصیحت یاد رکھیں آج کے بعد آپ مجھے یہاں نہ دیکھیں گے اور میں نہیں جانتا کہ پھر موقع ہو یا نہ ہو لیکن ان تفرقوں کو مٹانے کی کوشش کرو میری نسبت خواہ آپکا کچھ ہی خیال ہو لیکن یہ سمجھ کر کہ سہ مرد باید کہ گیرد اندر گوش ۔ ور نوشت است پند بر دیوار ۔ میری نصیحت پر عمل کرو جو شخص خود زہر کھا چکا ہے وہ دوسروں کے زہر کا کیا علاج کریگا اگر علاج کرتا ہے تو خود بھی مریگا اور دوسروں کو بھی ہلاک کریگا کیونکہ زہر اسمیں اثر کر چکا ہے اور اسکے حواس چونکہ قائم نہیں رہے ہیں اس لئے اس کا علاج بجائے مفید ہونیکے مضر ہوگا ۔ غرض جسقدر تفرقہ بڑھتا جاتا ہے اُسکا باعث وہی لوگ ہیں جنہوں نے زبانوں کو تیز کرنا ہی سیکھا ہے ۔ یہ بھی یاد رکھو کہ میرا یہ مذہب نہیں کہ اسلام کے سوا سب مذاہب بالکل جھوٹے ہیں میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ وہ خدا جو تمام مخلوق کا خدا ہے وہ سب پر نظر رکھتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ وہ ایک ہی قوم کی پروا کرے اور دوسروں پر نظر نہ کرے ہاں یہ سچ ہے کہ حاکم کے دَورہ کی طرح کبھی کسی قوم پر وہ وقت آجاتا ہے اور کبھی کسی پر ۔ میں کسی کے لئے نہیں کہتا خدا تعالیٰ نے مجھ پر ایسا ہی ظاہر کیا ہے کہ راجہ رامچندرؑ اور کرشنؑ جی وغیرہ بھی راستباز بندے تھے اور اس سے سچا تعلق رکھتے تھے ۔ میں اُس شخص سے بیزار ہوں جو اُن کی نِندیا یا توہین کرتا ہے اُسکی مثال کنوئیں کے مینڈک کیسی ہے جو سمندر کی وسعت سے ناواقف ہے جہانتک ان لوگوں کے صحیح سوانح معلوم ہوتے ہیں اُس سے پایا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے خدا کی راہ میں مجاہدات کیئے اور کوشش کی کہ اسی راہ کو پائیں جو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کی حقیقی راہ ہے پس جس شخص کا یہ مذہب ہو کہ وہ راستباز نہ تھے وہ قرآن شریف کے خلاف کہتا ہے ۔ کیونکہ اُسمیں فرمایا ہے اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ ۔ یعنی کوئی قوم اور اُمت ایسی نہیں گذری جسمیں کوئی نذیر نہ آیا ہو ۔ میں باوا نانکؒ صاحب کو بھی خدا پرست سمجھتا ہوں اور کبھی پسند نہیں

کرتا کہ ان کو بُرا کہا جائے مگر انکو ان لوگوں میں سے سمجھتا ہوں جن کے دل میں اپنی محبت آپ بٹھا دیتا ہے پس ان لوگوں کی پیروی کرو اور دل کو روشن کرو پھر دوسروں کی اصلاح کے لئے زبان کھولو اس ملک کی شائستگی اور خوش قسمتی کا زمانہ تب آئیگا۔ جب نری زبان نہ ہوگی بلکہ دل پُر درد ہوگا۔ پس اپنے تعلقات خدا سے زیادہ کرو یہی تعلیم سب نبیوں نے دی ہے اور یہی میری نصیحت ہے۔ اگر در خانہ کس است حرفی بس است ؛

حکیم میرزا محمود ایرانی

آج پرچہ پیسہ اخبار ۲۷ اگست سنہ ۱۹۰۴ع کے پڑھنے سے مجھے معلوم ہُوا کہ حکیم مرزا محمود نام ایرانی لاہور میں فروکش ہیں وہ بھی ایک مسیحیت کے مُدعی کے حامی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور مجھ سے مقابلہ کے خواہشمند ہیں۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھے اسقدر بشدت کم فرصتی ہے کہ میں ان کی اس درخواست کو قبول نہیں کر سکتا کیونکہ کل ہفتہ کے روز جلسہ کا دن ہے جس میں میری مصروفیت ہوگی اور اتوار کے دن علی الصباح مجھے گورداسپور میں ایک مقدمہ کے لئے جانا جو عدالت میں دائر ہے ضروری ہے میں قریباً بارہ دن سے لاہور میں مقیم ہوں اس مُدت میں کسی نے مجھ سے ایسی درخواست نہیں کی۔ اب میں جانیکو ہوں اور ایک منٹ بھی مجھے کسی اور کام کے لئے فرصت نہیں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس بیوقت کی درخواست سے کیا مطلب ہے اور کیا غرض ہے لیکن تاہم میں حکیم مرزا محمود صاحب کے لئے ایک اور صاف راہ بتلاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ کل ۳ ستمبر کو جلسہ میں میرا مضمون پڑھا جائیگا وہ مضمون ایڈیٹر صاحب پیسہ اخبار اپنے پرچہ میں بہ تمام و کمال شائع کردیں حکیم صاحب موصوف سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس مضمون کے مقابلہ میں اُسی اخبار میں اپنا مضمون شائع کرادیں اور پھر خود پبلک ان دونوں مضمونوں کو پڑھ کر فیصلہ کریگی کہ کس شخص کا مضمون راستی پر اور دلائل قویہ پر مبنی ہے اور کس شخص کا مضمون اس مرتبہ سے گرا ہُوا ہے۔ میری دانست میں یہ طریق فیصلہ ان بدنتائج سے بہت محفوظ ہوگا جو آجکل زبانی مباحثات سے متوقع ہے بلکہ چونکہ اس طرز میں روئے کلام حکیم صاحب کی طرف نہیں اور نہ انکی نسبت کوئی تذکرہ ہے اسلئے ایسا مضمون ان رنجشوں سے بھی منزہ ہوگا جو باہم مباحثات سے کبھی کبھی پیش آجایا کرتے ہیں

ایرانی صاحب کے ایک سوال کا جواب

مجھ سے ایک صاحب حکیم محمود ایرانی نام نے آج ۲ ستمبر سنہ ۱۹۰۴ع کو بذریعہ ایک خط کے دریافت کیا ہے

کہ اس آیت کے کیا معنی ہیں فَوَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ پ ۱۶ ع ۲ سو واضح ہو کہ یہ آیت قرآنی بہت سے اسرار اپنے اندر رکھتی ہے جس کا احاطہ نہیں ہو سکتا اور جیسے ظاہر کے نیچے ایک باطن بھی ہے لیکن وہ معنی جو خدا نے مجھ پر ظاہر فرمائے ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ آیت مع اپنے سابق اور لاحق کے مسیح موعودؑ کے لئے ایک پیشگوئی ہے اور اس کے وقت ظہور کو مشخص کرتی ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسیح موعودؑ بھی ذوالقرنین ہے کیونکہ قرن عربی زبان میں صدی کو کہتے ہیں اور آیت قرآنی میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ وعدہ کا مسیح جو کسی وقت ظاہر ہو گا اُس کی پیدائش اور اُس کا ظاہر ہونا دو صدیوں پر مشتمل ہو گا۔ چنانچہ میرا وجود اسی طرح پر ہے میرے وجود نے مشہور و معروف صدیوں میں خواہ ہجری ہیں خواہ مسیحی خواہ بکرماجیتی اس طور پر اپنا ظہور کیا ہے کہ ہر جگہ دو صدیوں پر مشتمل ہے صرف کسی ایک صدی تک میری پیدائش اور ظہور ختم نہیں ہوئے غرض جہاں تک مجھے علم ہے میری پیدائش اور میرا ظہور ہر ایک مذہب کی صدی میں صرف ایک صدی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ دو صدیوں میں اپنا قدم رکھتا ہے پس ان معنوں سے میں ذوالقرنین ہوں چنانچہ بعض احادیث میں بھی مسیح موعودؑ کا نام ذوالقرنین آیا ہے ان حدیثوں میں بھی ذوالقرنین کے یہی معنی ہیں جو میں نے بیان کئے ہیں۔ اب باقی آیت کے معنی پیشگوئی کے لحاظ سے یہ ہیں کہ دنیا میں دو قومیں بڑی ہیں جن کو مسیح موعودؑ کی بشارت دی گئی ہے اور مسیحی دعوت کے لئے پہلے انہیں کا حق ٹھیرایا گیا ہے۔ سو خدا تعالیٰ ایک استعارہ کے رنگ میں اس جگہ فرماتا ہے کہ مسیح موعودؑ جو ذوالقرنین ہے اپنی سیر میں دو قوموں کو پائیگا ایک قوم کو دیکھے گا کہ وہ تاریکی میں ایک ایسے بدبودار چشمہ پر بیٹھی ہے کہ جس کا پانی پینے کے لائق نہیں اور اسمیں سخت بدبودار کیچڑ ہے اور اس قدر ہے کہ اب اسکو پانی نہیں کہہ سکتے۔ یہ عیسائی قوم ہے جو تاریکی میں ہے انہوں نے مسیحی چشمہ کو اپنی غلطیوں سے بدبودار کیچڑ میں ملا دیا ہے۔ دوسری سیر میں مسیح موعودؑ نے جو ذوالقرنین ہے ان کو دیکھا جو آفتاب کی جلتی ہوئی دھوپ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور آفتاب کی دھوپ میں اور ان میں کوئی اوٹ نہیں اور آفتاب سے انہوں نے کوئی روشنی تو حاصل نہیں کی اور صرف یہ حصہ ملا ہے کہ اس سے بدن انکے جل رہے ہیں اور اوپر کی جلد سیاہ ہو گئی ہے اس قوم سے مراد مسلمان ہیں جو آفتاب کے سامنے تو ہیں مگر بجز جلنے کے اور کچھ فائدہ انکو نہیں ہوا۔ یعنی انکو توحید کا آفتاب دیا گیا مگر بجز جلنے کے آفتاب سے انہوں نے کوئی حقیقی روشنی حاصل نہیں کی یعنی دینداری کی سچی خوبصورتی اور سچے اخلاق وہ کھو بیٹھے اور تعصب اور کینہ اور اشتعال طبع اور درندگی کے جلن ان کے حصہ میں آ گئے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پیرایہ میں فرماتا ہے کہ ایسے وقت میں

مسیح موعودؑ جو ذوالقرنین ہے آئیگا جبکہ عیسائی تاریکی میں ہوں گے اور انکے حصّہ میں صرف ایک بدبودار کیچڑ ہوگا جس کو عربی میں حما کہتے ہیں اور مسلمانوں کے ہاتھ صرف خشک توحید ہوگی جو تعصب اور درندگی کی دُھوپ سے جلتے ہوں گے اور کوئی روحانیت صاف نہ ہوگی اور پھر مسیحؑ جو ذوالقرنین ہے ایک تیسری قوم کو پائیں گے جو یاجوج وماجوج کے ہاتھ سے بہت تنگ ہوگی اور وہ لوگ بہت دیندار ہوں گے اور ان کی طبیعتیں سعادتمند ہونگی اور وہ ذوالقرنین سے جو مسیح موعودؑ ہے مدد طلب کرینگے تا یاجوج وماجوج کے حملوں سے بچ جائیں اور تا وہ اُن کے لئے سدّ روشن بنا دیگا یعنی ایسے پختہ دلائل اسلام کی تائید میں ان کو تعلیم دے گا کہ یاجوج ماجوج کے حملوں کو قطعی طور پر روک دیگا اور ان کے آنسو پونچھے گا اور ہر ایک طور سے انکی مدد کریگا اور ان کے ساتھ ہوگا یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو مجھے قبول کرتے ہیں یہ عظیم الشان پیشگوئی ہے اور اس میں صریح طور پر میرے ظہور اور میرے وقت اور میری جماعت کی خبر دی گئی ہے پس مبارک وہ جو ان پیشگوئیوں کو غور سے پڑھے قرآن شریف کی یہ سنّت ہے کہ اس قسم کی پیشگوئیاں بھی کیا کرتا ہے کہ ذکر کسی اور کا ہوتا ہے اور اصل منشاء آئندہ زمانہ کے لئے ایک پیشگوئی ہوتی ہے جیسا کہ سورۃ یوسفؑ میں بھی اسی قسم کی پیشگوئی کی گئی ہے یعنی بظاہر تو ایک قصّہ بیان کیا گیا ہے مگر اس میں یہ مخفی پیشگوئی ہے کہ جس طرح یوسفؑ اُن کے بھائیوں نے حقارت کی نظر سے دیکھا آخر وہی یوسفؑ اُن کا سردار بنایا گیا اس جگہ بھی قریش کے لئے ایسا ہی ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا اُن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دُور کر کے مکہ سے نکالدیا مگر وہی جو دُور کیا گیا تھا اُن کا پیشوا اور سردار بنایا گیا۔ بڑا تعجب کا مقام ہے کہ اس قدر بار بار مسیح موعودؑ یعنی اس عاجز کی نسبت قرآن شریف میں پیشگوئیاں بیان کی گئی ہیں مگر بعض ایسے لوگ جو اپنے اندر بصیرت کی روح نہیں رکھتے۔ کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں مسیح موعودؑ کا کوئی ذکر نہیں یہ لوگ اُن عیسائیوں کی طرح ہیں جو اب تک کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بائیبل میں کوئی پیشگوئی نہیں ہے۔ ؎

چشم باز و گوش باز و ایں ذکا ❊ خیرہ ام از چشم بندیٔ خدا
ایں گماں از تیر ہا پر ساختہ ❊ صید نزدیک است دُور انداختہ

میرزا غلام احمد قادیانی